گلگت بلتستان کی داخلی خودمختاری اور اصل حقائق

عبدالجبار ناصر

وفاقی کابینہ نے 29 اگست 2009ء کو گلگت بلتستان (شمالی علاقہ جات) کے لیے خصوصی اصلاحاتی پیکیج کی منظوری دے دی۔ اس پیکیج کی صدائے بازگشت بالعموم 2007ء اور بالخصوص پیپلز پارٹی کی حکومت کے قیام کے بعد اپریل 2008ء سے سنائی دے رہی تھی۔ اس دوران گلگت بلتستان قانون ساز اسمبلی کو قبل از وقت تحلیل کر کے نئے پیکیج کے تحت عام انتخابات کرانے کی اطلاعات بھی گردش کرتی رہیں، جو درست ثابت نہیں ہوئیں اور 17 ماہ میں پیپلز پارٹی کی حکومت نئے اصلاحاتی پیکیج کا بھی اعلان نہ کر سکی، جس کی وجہ سے مجبوراً 12 اکتوبر 2004ء کے عام انتخابات کے نتیجے میں قائم ہونے والی قانون ساز اسمبلی کو نئے انتخابات اور اصلاحاتی پیکیج کے اعلان تک برقرار رکھنا پڑا۔

29 اگست 2009ء کو وفاقی کابینہ کے خصوصی اجلاس میں گلگت بلتستان کے لیے خصوصی اصلاحاتی پیکیج کی منظوری، اجلاس کے بعد وزیراعظم سید یوسف رضا گیلانی کی جانب سے متوقع پیکیج کے بعض مندرجات کے واضح اعلان اور 7 ستمبر 2009ء کو صدر پاکستان آصف علی زرداری کے دستخط کے بعد تحسین اور مذمت کا سلسلہ شروع ہوا جو تاحال جاری ہے۔

لوگوں کی بڑی تعداد، جو خطے کے جغرافیائی، تاریخی اور معروضی حالات سے ناواقف ہے، نے اس فیصلے پر بھرپور خوشی کا اظہار شروع کر دیا۔ دوسری طرف مقبوضہ اور آزاد کشمیر کے اکثر سیاسی قائدین نے حکومت پاکستان کے اصلاحاتی پیکیج کو تقسیم کشمیر کی سازش قرار دیتے ہوئے نہ صرف اس کی مذمت کی بلکہ کلی طور پر مسترد کیا۔ اسی طرح گلگت بلتستان کے باسیوں کی ایک بڑی تعداد بھی حکومت کے متوقع پیکیج کو ڈرامہ قرار دے کر مسترد کر چکی ہے اور ان کا مطالبہ ہے کہ حکومت مقامی لوگوں کی مرضی اور منشاء کے مطابق خطے کے لیے اصلاحات تیار کرے، جبکہ خطے کے لوگوں کی ایک بڑی تعداد نے تاحال محتاط رویہ اختیار کیا ہوا ہے۔ اس کی بنیادی وجہ خصوصی اصلاحاتی پیکیج کے مندرجات کا اعلامیہ جاری نہ ہونا ہے۔ مختلف فریقوں کی جانب سے مختلف موقف اور دعوؤں کے بعد گلگت بلتستان کی تاریخی، جغرافیائی اور آئینی پوزیشن کے حوالے سے نہ صرف عام آدمی بلکہ باشعور طبقہ بھی شدید تذبذب کا شکار ہے، کیونکہ پاکستان اور گلگت بلتستان کے بعض افراد کا موقف ہے کہ یہ خطہ پاکستان کا حصہ ہے، اس لیے اسے پاکستان میں کلی طور پر شامل کیا جائے۔ مقبوضہ کشمیر اور آزاد کشمیر کلی جبکہ گلگت بلتستان کے لوگوں کی ایک بڑی تعداد اس خطے کو متنازع ریاست جموں وکشمیر کا حصہ قرار دیتے ہوئے حکومت پاکستان کے پیکیج کو تنازع کشمیر کے حوالے سے پاکستان کے اصولی موقف سے انحراف قرار دیتی ہے۔

دوسری جانب گلگت بلتستان کے عوام کی ایک بڑی تعداد خطے کو خودمختار قرار دیتے ہوئے حکومت پاکستان اور بالخصوص کشمیری قیادت سے سخت نالاں نظر آتی ہے۔ مختلف ٹی وی چینلز میں ہونے والے پروگراموں اور تاریخی حقائق کی بجائے سنی

سنائی باتوں، روایتوں اور ذاتی تصورات پر مشتمل اخباری مضامین نے گلگت بلتستان کے آئینی تشخص کو مزید گھمبیر بنا دیا ہے۔ بدقسمتی سے ماضی میں اس خطے کے دعویداروں نے دنیا اور خطے کے عوام کو حقائق سے آگاہ کرنے کی بجائے ذاتی موقف یا تصور کا ہی پرچار کیا، جس کی وجہ سے آج بھی اہل پاکستان، گلگت بلتستان اور کشمیریوں کی ایک بڑی تعداد اصل حقائق سے لاعلم ہے۔

گلگت بلتستان کی آئینی حیثیت جاننے کے لیے خطے کے تاریخی اور جغرافیائی حقائق کو مدنظر رکھنا لازمی ہے۔ اس کے بغیر صورت حال کا سمجھنا نہ صرف مشکل بلکہ ناممکن ہے اور بغیر سوچے سمجھے کیے ہوئے اقدام کا انتہائی منفی اثر پڑتا ہے، جس کی واضح مثال 11/9 کے بعد افغانستان کے حوالے سے کیے جانے والے پاکستانی فیصلے اور نام نہاد دہشت گردی کے خلاف جنگ میں شمولیت کا اعلان ہے۔ ہم نے طالبان کی مخالفت اور امریکا کی حمایت کسی بڑی پریشانی سے بچنے کے لیے کی مگر ہمارے اس غیر سنجیدہ اور غلط فیصلے نے ملکی سلامتی کو سوالیہ نشان بنا دیا۔ اسی طرح گلگت بلتستان کے حوالے سے کوئی بھی غیر سنجیدہ فیصلہ تنازع کشمیر کے حوالے سے پاکستان کے موقف اور خطے میں پاکستان کی جغرافیائی اہمیت کو متاثر کر سکتا ہے۔

گلگت بلتستان 3 پہاڑی سلسلے قراقرم، ہمالیہ اور کوہ ہندوکش کے سنگم اور دنیا کی 6 میں 4 بڑی ایٹمی قوتوں پاکستان، چین، بھارت اور روس کے درمیان واقع ہے، جبکہ افغانستان میں سپر پاور امریکا کی موجودگی کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اگرچہ یہ خطہ 28 ہزار مربع میل پر پھیلے ہوئے 20 لاکھ افراد کا مسکن ہے، مگر خطے کی تاریخی اور جغرافیائی اہمیت نے خطے کو 28 لاکھ مربع میل رقبہ اور کروڑوں کی آبادی رکھنے والے ملک سے زیادہ اہمیت کا حامل بنا دیا ہے۔ گلگت بلتستان کی یہ اہمیت صدیوں سے ہے، بلکہ مستقبل کے حوالے سے اس کی اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے تمام عالمی قوتوں کی نظریں خطے پر لگی ہوئی ہیں۔

(جاری ہے)

گلگت بلتستان کی داخلی خود مختاری اور اصل حقائق (2)

عبدالجبار ناصر

گلگت بلتستان بنیادی طور پر 2 ریجن پر مشتمل ایک خطہ ہے، جس کے 6 اضلاع، 20 تحصیل اور 10 سب ڈویژن ہیں۔ گلگت ریجن 4 اضلاع گلگت، دیامر، غذر اور استور، جبکہ بلتستان ریجن 2 اضلاع سکردو اور گانچھے پر مشتمل ہے۔ دونوں ریجن میں مختلف مکاتب فکر اور زبانوں کے لوگ آباد ہیں۔ خطے کی سب سے بڑی زبان شینا ہے، جو ضلع دیامر اور استور میں 100 فیصد، ضلع گلگت میں تقریباً 5 فیصد، ضلع غذر میں 40 فیصد، سکردو میں 10 فیصد اور گانچھے میں 5 فیصد بولی جاتی ہے۔ دوسری بڑی زبان بلتی ہے جو بلتستان ریجن کے 2 اضلاع سکردو اور گانچھے میں بالترتیب 90 اور 95 فیصد بولی جاتی ہے۔ تیسری بڑی زبان بروشسکی ہے جو ضلع گلگت میں 30 فیصد اور غذر میں 15 فیصد بولی جاتی ہے۔ چوتھی زبان کھوار ہے جو ضلع غذر میں 45 فیصد اور ضلع گلگت میں 5 فیصد بولی جاتی ہے، جبکہ وخی ضلع گلگت میں 15 فیصد بولی جاتی ہے۔ مجموعی طور پر پورے خطے میں شینا 50 فیصد، بلتی 30 فیصد، بروشسکی 10 فیصد، کھوار اور وخی 10 فیصد بولی جاتی ہے۔

مذہبی حوالے سے گلگت بلتستان میں 4 مکاتب فکر آباد ہیں۔ ضلع گلگت میں 48 فیصد شیعہ، 27 فیصد اسماعیلی اور 25 فیصد سنی۔ ضلع دیامر میں 100 فیصد سنی۔ ضلع استور میں 75 فیصد سنی اور 25 فیصد شیعہ۔ ضلع غذر میں 80 فیصد اسماعیلی اور 20 فیصد سنی۔ ضلع سکردو میں 85 فیصد شیعہ، 8 فیصد نوربخشی اور 7 فیصد سنی، جبکہ ضلع گانچھے میں 85 فیصد نوربخشی، 10 فیصد سنی اور 5 فیصد شیعہ آباد ہیں۔ مجموعی طور پر تقریباً 38 فیصد شیعہ، 33 فیصد سنی، 17 فیصد اسماعیلی اور 12 فیصد نوربخشی آباد ہیں۔ خطے کی سرحدیں مشرق سے جنوب تک مقبوضہ کشمیر (بھارت کے زیر قبضہ) شمال میں چین، شمال مغرب میں افغانستان اور تاجکستان کی ایک چھوٹی سے پٹی ہے، جبکہ مغرب اور جنوب مغرب میں پاکستان کے اضلاع کوہستان اور چترال کی سرحدیں لگتی ہیں۔

16 مارچ 1846ء میں حکومت برطانیہ اور مہاراجہ گلاب سنگھ کے مابین ہونے والے معاہدے (امرتسر) سے قبل تک اس خطے میں مختلف ناموں سے چھوٹی بڑی آزاد ریاستیں رہی ہیں۔ کبھی ان کی سرحدیں دور دور تک پھیل جاتی اور کبھی محدود ہو جاتی تھیں، مگر 16 مارچ 1846ء کے معاہدہ امرتسر کے تحت مہاراجہ گلاب سنگھ نے انگریزوں سے 75 لاکھ نانک شاہی میں خطہ کشمیر کو خریدا اور 1848ء تک مہاراجہ نے کشمیر سمیت گلگت بلتستان کے موجودہ تمام خطوں پر بھی کنٹرول حاصل کیا (بلتستان لداخ کی ایک تحصیل تھا)۔ ڈوگرہ حکومت ان خطوں میں 16 مارچ 1846ء سے 15 اگست 1947ء تک قائم رہی، البتہ گلگت بلتستان کے مختلف علاقوں میں ڈوگرہ راج 1848ء سے یکم نومبر 1947ء اور 14 اگست 1948ء تک قائم رہا۔ تاہم اس دوران بھی انگریز حکومت کا اثر رہا، یہی وجہ ہے کہ 1889ء میں انگریز حکومت نے گلگت ایجنسی قائم کر دی، جس پر مہاراجہ نے شدید احتجاج کیا مگر گوروں نے اس کی ایک نہ سنی، یوں مہاراجہ کی سرگرمیاں گلگت میں محدود ہو گئیں۔

1892ء میں انگریز نے ہنزہ اور نگر کی ریاستوں کو بھی کنٹرول کر کے راجاؤں کی سرگرمیاں محدود کر دیں اور وزارت قائم

کر کے وہاں وزیر تعینات کیا۔ اگرچہ وزیر وزارت مہاراجہ کا نامزد کردہ فرد ہوتا تھا مگر اصل حکمران انگریز ہی رہے۔ 1901ء میں گلگت اور لداخ کو دو وزارتوں میں تقسیم کیا گیا۔ مہاراجہ کشمیر نے سیاسی اصلاحات کے تحت 1934ء میں پہلی بار جموں و کشمیر اسمبلی قائم کی۔ اس اسمبلی میں لداخ، بلتستان اور استور کے لیے 5 نشستیں مختص کیں۔ گلگت کو اسمبلی میں نمائندگی نہ دینے کی وجہ انگریز سے ہونے والا معاہدہ تھا، تاہم یکم اگست 1947ء کو جب انگریز نے معاہدہ ختم کر کے گلگت ایجنسی ڈوگرہ حکومت کے حوالے کی تو مہاراجہ نے گلگت کو لداخ میں شامل کر کے ریاست کا تیسرا صوبہ بنایا۔ تیسرے صوبے کے حوالے سے اصلاحات زیر غور تھیں کہ تقسیم برصغیر کا اعلان ہوا۔ ریاستی اسمبلی کے ارکان کا 1934ء سے 1947ء تک 4 بار انتخاب ہوا۔

(جاری ہے)

گلگت بلتستان کی داخلی خود مختاری اور اصل حقائق (3)

عبدالجبار ناصر

جب 1935ء میں روس نے چین کے صوبہ سنکیانگ پر قبضہ کیا تو انگریزوں کو پامیر کے راستے سے خطرہ محسوس ہونے لگا۔ اگرچہ گلگت ایجنسی کے قیام کے بعد انگریز کا ان علاقوں پر کنٹرول تھا مگر انتظامی نگرانی ڈوگرہ کے پاس تھی، برطانوی حکومت نے خطے پر براہ راست کنٹرول کے لیے 26 مارچ 1935ء کو گلگت اور قرب وجوار کے علاقوں کو ایک معاہدے کے ذریعے مہاراجہ سے 60 سال کی لیز پر حاصل کیا۔ معاہدے کی رو سے دریائے سندھ کے پار شمالی جانب گلگت بلتستان کے 1480 مربع میل علاقے کا تمام انتظام وانصرام انگریز کو حاصل ہوا، تاہم اس 5 نکاتی معاہدے میں یہ شرط شامل تھی کہ سرکاری عمارات پر ریاست جموں وکشمیر (مہاراجہ) کا پرچم ہی لہراتا رہے گا۔ 3 جون 1947ء کو جب یہ طے پایا کہ انگریز برصغیر سے چلا جائے گا، اس موقع پر معاہدہ گلگت بھی منسوخ ہوگیا۔ یکم اگست 1947ء کو انگریز ریزیڈنٹ نے گلگت ایجنسی کا چارج ایک مرتبہ پھر مہاراجہ کشمیر کی حکومت کے حوالے کیا اور مہاراجہ نے بریگیڈیئر گھنسارا سنگھ کو اس علاقے کا گورنر بنا کر گلگت بھیجا جو یکم نومبر 1947ء کو اپنی گرفتاری تک گلگت میں مہاراجہ حکومت کے گورنر کے طور پر کام کرتے رہے۔

15 اگست 1947ء تک قائم ریاست جموں کشمیر کا کل رقبہ 84 ہزار 471 مربع میل ہے اور یہ ریاست 3 صوبوں پر مشتمل تھی۔ ریاست کے صوبہ جموں کا رقبہ 12 ہزار 387 مربع میل، صوبہ کشمیر 8 ہزار 539 مربع میل اور سرحدی صوبہ لداخ وگلگت (بلتستان لداخ کی ایک تحصیل تھی) کا رقبہ 63 ہزار 554 مربع میل تھا۔ قیام پاکستان کے اعلان کے بعد ریاستی مسلمانوں میں آزادی کا جذبہ تیز ہوگیا جبکہ گلگت اسکاؤٹس کے مسلمان جوانوں، افسران اور معززین نے باہمی مشاورت سے ڈوگرہ حکومت سے آزادی حاصل کرنے کی حکمت عملی طے کی جس کے تحت 31 اکتوبر 1947ء کی شب گلگت میں گورنر گھنسارا سنگھ کی رہائشگاہ ریزیڈنٹ ہاؤس (گورنر ہاؤس) کا محاصرہ کیا، گورنر گھنسارا سنگھ نے مزاحمت کی اور رات بھر فائرنگ کرتا رہا جس میں گلگت اسکاؤٹس کا ایک نوجوان امیر حیات شہید ہوا۔ تاہم صبح کے وقت گھنسارا سنگھ نے ہتھیار ڈال دیے اور خود کو گرفتاری کے لیے پیش کیا۔ گھنسارا سنگھ کی گرفتاری کے ساتھ ہی گلگت ایجنسی میں ڈوگرہ راج کا خاتمہ ہوا ہے، گلگت میں بغاوت اور گورنر گھنسارا سنگھ کی گرفتاری دراصل گلگت اسکاؤٹس کے مسلمان افسران، جوانوں اور بعض معززین علاقہ کی مضبوط ومربوط منصوبہ بندی اور آزادی کے جذبے کا نتیجہ تھا۔ اسی روز شاہ رئیس خان کی قیادت میں ''اسلامی جمہوریہ گلگت'' کی عبوری حکومت کا اعلان کیا گیا۔ فوج کے سربراہ کرنل مرزا حسن خان کو بنایا گیا جبکہ دیگر حکام میں شاہ خان، کیپٹن بابر خان اور دیگر شامل تھے اور باہمی مشاورت سے فیصلوں کے لئے ایک ''انقلابی کونسل'' بھی قائم کی گئی۔

قبل ازیں ریاست کے ایک حصے میں 23 اکتوبر 1947ء کو مظفرآباد سے باقاعدہ جنگ آزادی کا آغاز ہوا اور مقامی کشمیریوں اور پاکستانی قبائلیوں نے حملہ کرکے سرینگر تک ریاست کے سرحدی علاقوں کا قبضہ حاصل کیا اور مظفرآباد میں

24 اکتوبر 1947ء کو ایک متوازی حکومت اور آزاد ریاست کے قیام کا اعلان کیا گیا۔ جس کے بعد 25 اکتوبر 1947ء کو مہاراجہ سیرینگر سے فرار ہوا اور جموں جا کر پناہ حاصل کی، اسی دوران مہاراجہ نے بھارت سے مدد طلب کی اور 26 اکتوبر 1947ء کو مہاراجہ نے بھارت سے الحاق کیا اور اس طرح خطے پر بھارت نے عملاً قبضہ کر کے مسلمانوں کی آزادی کو ایک مرتبہ پھر غلامی میں تبدیل کیا۔ مظفر آباد میں 24 اکتوبر 1947ء کو ایک متوازی حکومت، 26 اکتوبر 1947ء کو مہاراجہ کشمیر ہیری سنگھ کی جانب سے ریاست کا بھارت سے الحاق اور یکم نومبر 1947ء کو گلگت میں ''اسلامی جمہوریہ گلگت'' کے قیام کے بعد 84 ہزار 471 مربع میل پر پھیلی ہوئی ریاست جموں وکشمیر عملاً 3 حصوں میں تقسیم ہوگئی۔ ایک حصہ بھارت کے پاس چلا گیا اور 2 حصے اگرچہ آئینی طور پر پاکستان میں شامل نہیں ہوئے مگر آزاد حیثیت میں پاکستان کے حامی رہے۔

گلگت بلتستان میں آزاد ریاست ''اسلامی جمہوریہ گلگت'' کے قیام کے اعلان کے بعد گلگت بلتستان کے غیور مسلمانوں نے ریاست کے مزید علاقوں کو ڈوگرہ راج سے آزاد کرنے کے لیے بلتستان اور استور کی طرف آزادی کا مارچ شروع کیا۔ 1948ء کے موسم بہار میں استور کے راستے سے مرزا حسن خان کی قیادت میں ''ٹائیگر فورس'' سرینگر کی طرف بڑھنے والا قافلہ برزل ٹاپ، منی مرگ، قمری، کلشئی اور وادی گریز سے ہوتا ہوا سرینگر سے 25 کلومیٹر دور تراگبل تک پہنچ گیا تاہم تراگبل کے مقام پر سخت مزاحمت اور بھارتی افواج کی کارروائی کے بعد اس قافلے کو سخت نقصان کے باعث پسپائی اختیار کرنا پڑی۔ یہاں تک کہ وادی گریز سے برزل ٹاپ تک بھارت کا قبضہ ہوا۔ یہ برف باری کا موسم تھا جس کی وجہ سے بھارتی اہلکاروں کو مجبوراً وادی قمری کے علاقے کو خالی کرنا پڑا۔ تاہم 1949ء کے موسم گرما کے آغاز سے قبل ہی مقامی لوگوں کے تعاون سے گلگت کے انقلابیوں نے وادی قمری، منی مرگ اور کلشئی کو بچاتے ہوئے دودگئی اور کلشئی کے مقام تک ایک مرتبہ پھر کنٹرول حاصل کرلیا جو آج تک قائم ہے۔ یوں وادی قمری، منی مرگ اور کلشئی کے غیور عوام نے سکھ کا سانس لیا، اگرچہ انہیں اپنے عزیز واقرباء اور انتہائی قریبی رشتہ داروں کے بھارتی مقبوضہ کشمیر میں پھنس جانے اور ان کی جدائی کا غم بھی تھا۔ دونوں جانب کی افواج کی مزید مزاحمت نہ کرنے کی ایک بڑی وجہ اقوام متحدہ کی قرارداد کے مطابق پاکستان اور بھارت کے مابین سیز فائر (عارضی جنگ بندی) ہو چکی تھی۔

گلگت میں آزاد ریاست کے قیام کے بعد غیور مسلمانوں نے ریاست کے دیگر علاقوں کی طرح بلتستان کی آزادی پر غور کیا اور اس کے لیے منصوبہ بندی کی جس کے تحت کرنل عبدالمجید اور کیپٹن احسان علی کی قیادت میں ''مارخور فورس'' نے جنوری 1948ء میں بلتستان کی آزادی کی جنگ شروع کی۔ بلتستان کے غیور عوام نے آزادی کے ان سپاہیوں کا بھرپور استقبال کیا اور ان کا ساتھ دیا جس کی سے وجہ سے 14 اگست 1948ء کو مارخور فورس سکردو قلعے پر قابض ہوئی اور بعدازاں لداخ کے اندر تحصیل لیہ سے صرف 15 کلومیٹر دور تک قبضہ کرلیا جبکہ دوسری طرف سے ٹائیگر فورس نے دراس اور زوجیلہ تک کا علاقہ آزاد کرایا۔ مگر بعدازاں وقت کے حکمرانوں کے غلط اقدام کی وجہ سے وادی گریز اور بلتستان کے دفاعی حوالے سے بعض اہم علاقے ایک مرتبہ پھر بھارتی افواج کے قبضے میں گئے۔ گلگت ریجن کے مقابلے میں بلتستان ریجن میں انقلابیوں کو ڈوگرہ اور بھارتی افواج کی جانب سے سخت مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔

(جاری ہے)

گلگت بلتستان کی داخلی خودمختاری اور اصل حقائق (4)

عبدالجبار ناصر

یکم نومبر 1947ء سے 31 دسمبر 1949ء تک گلگت بلتستان کے ان علاقوں میں لڑی جانے والی جنگ میں خطے کے مسلمانوں بالخصوص گلگت اسکاؤٹس کے مسلمان فوجی افسران نے تقریباً 40 ہزار مربع میل علاقہ ڈوگرہ راج سے آزاد کیا۔ 1948ء سے 1984ء تک مختلف مواقع پر تقریباً 8 ہزار مربع میل علاقے پر بھارتی افواج نے دوبارہ قبضہ کیا، جس کی وجہ سے گلگت بلتستان کو کئی اہم دفاعی اور اہم پوزیشنوں سے محروم ہونا پڑا۔ بھارت نے تو جنگ کے ذریعے ان علاقوں پر قبضہ کیا مگر پاکستان نے بھی کوہستان اور چترال میں بعض علاقے شامل کیے، جن کا رقبہ 2 ہزار مربع میل سے زائد بتایا جاتا ہے۔ جبکہ 1963 میں ایک معاہدے کے تحت 18 سو مربع میل علاقہ چین کو دے دیا گیا تاہم اس معاہدے میں یہ بات شامل ہے کہ کشمیر کے مسئلے کے تصفیہ تک یہ معاہدہ کارآمد رہے گا۔ آزادی کی اس جنگ میں جہاں گلگت اسکاؤٹس کے جوانوں اور معززین کا کردار قابل تحسین ہے، وہیں عام لوگوں کا کردار بھی ناقابل فراموش ہے۔ اگر مقامی عوام انقلابیوں کی مدد نہ کرتے تو آزادی کسی صورت ممکن ہی نہیں تھی، کیونکہ اس زمانے میں اصل مسئلہ محاذ جنگ تک اشیائے ضرورت اور فوجی سامان پہنچانا تھا، یہ کام مقامی لوگ کرتے تھے، یہاں تک کہ بعض مقامات پر خواتین نے بھی یہ خدمت سرانجام دی۔ اس حوالے سے استور، قمری، منی مرگ، کلشئی، وادی گریز، گلتری، کرگل، چیلو اور دیگر سرحدی علاقوں کے لوگوں کا بڑا کردار تھا۔ استور تا وادی گریز تک لوگ بیک وقت مختلف محاذوں کیل (وادی نیلم) قمری، منی مرگ، کلشئی، وادی گریز، گلتری، کرگل سکردو اور دیگر علاقوں تک فوجی سامان اور اشیائے ضرورت پہنچانے کی ذمہ داری پوری کرتے تھے۔

آزادی کی اس جنگ پر خطے کے بالعموم تمام اور بالخصوص سرحدی علاقوں میں رہنے والے عوام نے مالی جانی قربانی دی۔ راقم کے تایا عزیز اللہ ناصر ولد عبدالرحیم ناصر بھی برزل ٹاپ کے قریب جوجاٹی کے مقام پر شہید ہوئے۔ گلگت بلتستان کی آزادی میں چترال اور کوہستان جبکہ آزاد کشمیر کی آزادی میں فاٹا، مالاکنڈ اور صوبہ سرحد کے بعض دیگر علاقوں کے قبائلیوں کا بھی کردار رہا ہے، اگرچہ بعض افراد کشمیر میں قبائلیوں کے کردار کو منفی انداز میں بھی پیش کر رہے ہیں۔

خطے میں جنگ بندی کے لیے بھارت اقوام متحدہ میں چلا گیا۔ یوں 21 اپریل 1948ء کو اقوام متحدہ میں مسئلہ کشمیر کے حوالے سے بنیادی قرارداد منظور ہوئی، جس کے تحت 7 مئی 1948ء کو اقوام متحدہ کا کمیشن برائے انڈیا پاکستان کا قیام عمل میں لایا گیا۔ کمیشن نے اپنے مینڈیٹ کے مطابق کئی سفارشات مرتب کیں، جن کے نتیجے میں 13 اگست 1948ء اور 5 جنوری 1949ء کو اقوام متحدہ میں تنازع کشمیر کے حوالے سے 2 اہم قراردادیں منظور ہوئیں۔

پہلی قرارداد میں دیگر امور کے علاوہ جنگ بندی پر زور دیا گیا، جس کے نتیجے میں پاکستان اور بھارت کے مابین جنگ بندی کی کوششیں ہوئیں اور معاہدہ ہوا، جبکہ دوسری قرارداد میں تنازع کشمیر کے حل کے حوالے سے تجاویز پر زور دیا گیا اور یکم جنوری 1949 کو حتمی جنگ بندی کا حکم دیا گیا، جس کے بعد جس کا جہاں پر قبضہ تھا اسی کو "سیز فائر لائن" قرار دیا گیا اور تنازع کشمیر کے

حل تک یہ حصہ ''کنٹرول لائن'' کہلائے گا۔ اقوام متحدہ کی قراردادوں میں جس ریاست جموں وکشمیر کا ذکر ہے، اس کا رقبہ 84 ہزار 471 مربع میل ہے، یعنی 15 اگست 1947ء کو قائم ہونے والی پوری ریاست جموں وکشمیر شامل ہے، جس کے 3 صوبے صوبہ جموں، صوبہ کشمیر اور صوبہ گلگت لداخ (بلتستان) ہیں۔ اس طرح گلگت بلتستان کا خطہ تنازع کشمیر کے حل تک کے لیے لٹک گیا۔

تنازع کشمیر اقوام متحدہ میں جانے کے بعد کشمیری اور پاکستانی قیادت کو گلگت بلتستان کی آئینی پوزیشن کی فکر ہوئی کیوں کہ ادھر بھارت مہاراجہ ہری سنگھ کے بھارت سے الحاق کی وجہ سے اس خطے کو بھارت (ریاست جموں وکشمیر کا حصہ ہونے کی وجہ سے) اپنا اٹوٹ انگ قرار دے رہا تھا۔ یکم نومبر 1947ء سے 13 اگست 1948 اور 5 جنوری 1949ء تک حکومت پاکستان ایک پولیٹکل ایجنٹ کے ذریعے گلگت بلتستان میں نظام چلا رہی تھی مگر اقوام متحدہ کی قراردادوں اور بھارتی دعوؤں نے حکومت آزاد کشمیر اور حکومت پاکستان کو فکرمند کر دیا۔ اس لیے دونوں حکومتوں نے اپنی آئینی اور اخلاقی پوزیشن کو مضبوط کرنے کے لیے 28 اپریل 1949ء کو تاریخ کا سیاہ ترین ''معاہدۂ کراچی'' کیا۔ اس میں 3 فریق شامل تھے جن میں حکومت پاکستان، حکومت آزاد کشمیر اور آزاد جموں وکشمیر مسلم کانفرنس جن کی نمائندگی بالترتیب وزیر بےمحکمہ مشتاق احمد گورمانی، سردار ابراہیم خان اور چودھری غلام عباس کر رہے تھے۔ تین حصوں پر مشتمل ''معاہدہ کراچی'' میں 20 ذیلی نکات شامل تھے۔

(جاری ہے)

گلگت بلتستان کی داخلی خودمختاری اور اصل حقائق (5)

عبدالجبار ناصر

معاہدہ کراچی کے حصہ ''الف'' میں حکومت پاکستان کے دائرہ اختیار کے اندر جو سات نکات آئیں گے ان کا ذکر ہے، ساتویں نکتے میں کہا گیا ہے کہ '' گلگت اور لداخ (بلتستان) کے جملہ انتظامات کا کنٹرول بھی حکومت پاکستان سنبھالے گی۔'' حصہ ''ب'' میں حکومت آزاد کشمیر کے دائرہ اختیار اور حصہ ''ج'' میں آل جموں وکشمیر مسلم کانفرنس کے دائرہ اختیار کے معاملات درج ہیں۔ معاہدے میں حکومت پاکستان کی نمایندگی پاکستان کے وزیر بے محکمہ (انچارج امور کشمیر) مشتاق احمد گورمانی، حکومت آزاد کشمیر کی جانب سے صدر ریاست سردار ابراہیم خان اور آل جموں وکشمیر مسلم کانفرنس کی جانب سے جماعت کے صدر چودھری غلام عباس نے کی۔ اس معاہدے کے تحت حکومت آزاد کشمیر اور آل جموں وکشمیر مسلم کانفرنس نے گلگت بلتستان کو خطہ کشمیر یا ریاست جموں وکشمیر کا حصہ قرار دیتے ہوئے اس خطے کا تمام انتظام وانصرام حکومت پاکستان کے سپرد کیا، مگر تینوں فریقوں میں سے کسی نے بھی اصل فریق '' گلگت بلتستان'' کے لاکھوں عوام کو اس معاہدے میں نمایندگی دینا گوارا نہیں کیا، حالانکہ گلگت بلتستان میں قیادت کا قحط الرجال بھی نہیں تھا، کیونکہ 1948ء میں استور سے آزاد کشمیر کی وادی نیلم شاردہ تک کا حصہ آزاد کرنے میں اصل کردار گلگت بلتستان کی ''ٹائیگر فورس'' کے افسران اور جوانوں کا تھا۔ دراصل اس معاہدے کے ذریعے کشمیری قیادت نے خطے کو اپنا حصہ ثابت کرنے اور حکومت پاکستان نے 16 نومبر 1947ء کو ''اسلامی جمہوریہ گلگت'' کے خاتمے کے اپنے اقدام کو آئینی تحفظ دینے کی کوشش کی۔ تینوں فریقوں کو خدشہ تھا کہ اگر ''گلگت بلتستان'' کی قیادت کو معاہدے میں نمایندگی دی گئی تو معاملات حکومت پاکستان اور آزاد کشمیر کے منشا کے مطابق طے نہیں ہوں گے۔

گلگت بلتستان کے عوام نے روز اول سے اس معاہدے کو تسلیم نہیں کیا اور وقتاً فوقتاً اس معاہدے کے خلاف آواز اٹھاتے رہے ہیں۔ کشمیری قیادت سے شکوہ، شکایات اور نفرت کی ایک بڑی وجہ بھی یہی معاہدہ بنا۔ ''معاہدہ کراچی'' کے بعد غازی ملت، مجاہد اول، قلندر اور ان کے نمایندوں نے پوری ریاست جموں وکشمیر کے دعویدار بن کر تقریباً 50 سال تک آزاد کشمیر میں حکومت کی اور آزاد کشمیر کے شہریوں کے لیے ہر طرح کی سہولیات حاصل کیں، مگر 15 اگست 1947ء تک قائم ریاست جموں وکشمیر کے ایک بڑے حصے جو آزاد کشمیر کے مقابلے میں تقریباً 7 گنا بڑا علاقہ ہے کو تعمیر وترقی اور اخلاقی حوالے سے بالکل نظرانداز کیا، جس کا نتیجہ گلگت بلتستان کے عوام کے دلوں میں بالعموم تمام کشمیریوں اور بالخصوص حکمرانوں کے خلاف شدید نفرت اور آئے روز اس میں اضافے کی صورت میں نکلا۔

''معاہدہ کراچی'' کے حوالے سے کشمیری دانشور عباس آزاد اپنی کتاب ''کشمیر کی ان کہی کہانی'' میں لکھتے ہیں کہ سردار ابراہیم خان نے اپنے بعض بیانات میں اس معاہدے سے لاعلمی ظاہر کی ہے جبکہ سردار ابراہیم خان کے خاندانی اور سیاسی وارث سردار خالد ابراہیم خان 28 اپریل 1949ء کے شرمناک ''معاہدہ کراچی'' میں اپنے والد کی شمولیت کو قابل فخر عمل قرار دیتے

ہیں۔ ''معاہدہ کراچی'' کے حوالے سے یہ بات واضح ہے کہ یہ معاہدہ انتہائی قابل مذمت اور خطے کی تاریخ کا سیاہ ترین باب ہے، کیونکہ 28 لاکھ مربع میل پر پھیلے ہوئے گلگت بلتستان کے 20 لاکھ عوام کو کلی طور پر نظر انداز کر کے ان پر زبردستی ''معاہدہ کراچی'' کی شرائط مسلط کردی گئیں۔ معاہدے میں ''گلگت بلتستان'' کو شامل کرنے کا بنیادی مقصد اقوام متحدہ کی قراردادوں کے مطابق رائے شماری میں ''گلگت بلتستان'' کی حمایت حاصل کرنا تھا۔

24 اکتوبر 1947ء کو آزاد کشمیر میں متوازی حکومت کے قیام کے بعد کشمیری قیادت نے مظفرآباد اور دیگر علاقوں میں حکومت پاکستان کے تعاون سے ایک آزاد ریاست قائم کی اور یہاں کے باسیوں کو بنیادی سہولیات کی فراہمی تیز تر کردی۔ دوسری طرف یکم نومبر 1947ء کو گلگت میں مہاراجہ حکومت کے گورنر گھنسارا سنگھ کی گرفتاری کے بعد قائم ہونے والی ریاست ''اسلامی جمہوریہ گلگت'' کی انقلابی کونسل کے تحت حکومت نظام چلا رہی تھی کہ 16 نومبر 1947ء کو صوبہ سرحد پاکستان سے سردار عالم خان خطے کے لیے حکومت پاکستان کے نمائندے (پولیٹیکل ایجنٹ) بن کر گلگت آئے اور نظام حکومت سنبھالا۔ انہوں نے نوزائیدہ ریاست اسلامی جمہوریہ گلگت، حکومت اور اس کی انقلابی کونسل کو ختم کر کے ایک مرتبہ پھر گلگت بلتستان کو ایجنسی کا درجہ دیا۔ سردار عالم خان یا حکومت پاکستان کو کس نے دعوت دی اور کس کے حکم پر سردار عالم خان یہاں آئے، اس حوالے سے کوئی صحیح وضاحت موجود نہیں ہے، البتہ تضادات پر مبنی باتیں ضرور بیان کی جاتی ہیں، جن کا کوئی تحریری یا ناقابل تردید ثبوت نہیں ہے۔

سردار عالم خان نے نظام سنبھالتے ہی نوزائیدہ ریاست ''اسلامی جمہوریہ گلگت'' کو ختم کر کے اس کے صدر کو سبکدوش کردیا۔ جس پر ''اسلامی جمہوریہ گلگت'' کے صدر شاہ رئیس خان انتہائی مایوس ہو کر گوشہ نشین ہوگئے، تاہم بعدازاں سردار عالم خان نے شاہ رئیس خان کو محکمہ فوڈ سپلائی کا ڈائریکٹر بنایا، جبکہ ''اسلامی جمہوریہ گلگت'' کے فوجی سربراہ کرنل مرزا حسن خان جو برٹش آرمی میں کمیشنڈ آفیسر تھے، کو نئے سرے سے جونیئر کمیشن آفیسر کے امتحان میں شرکت کرنے کا حکم دیا۔

سردار عالم خان کی گلگت میں پاکستانی نمائندے کی حیثیت سے آمد کے حوالے سے متضاد آراء ہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ اکتوبر 1947ء کے ابتدائی عشرے میں گلگت اسکاؤٹس کے مسلمان افسران نے راجہ بابر خان کے بنگلے میں ایک خفیہ اجلاس کیا، جس میں حکومت پاکستان کے نام لکھے گئے خط کی عبارت کو حتمی شکل دی گئی۔ اس اجلاس میں راجہ بابر خان کے علاوہ شاہ انیس خان، ماسٹر غلام رضا، آغا ئے برمس آغا سید محمد عباس موجود تھے۔ خطوط شاہ رئیس خان نے تحریر کیے اور سربمہر کر کے امیر جہاندار شاہ کے حوالہ کیا کہ وہ صوبہ سرحد کے علاقے ایبٹ آباد جا کر ان خطوط کو ڈاک خانے میں ڈال دے، کیونکہ گلگت میں ڈاک پر سخت سنسر تھا۔ یہ خطوط قائداعظم محمد علی جناح، وزیراعظم پاکستان لیاقت علی خان اور صوبہ سرحد کے وزیراعلیٰ خان عبدالقیوم خان کے نام لکھے گئے تھے۔ جن میں گلگت میں انقلاب برپا کرنے کی تجویز دیتے ہوئے حکومت پاکستان سے ہر قسم کی مدد کی درخواست کی گئی تھی۔ روایت کے مطابق امیر جہاندار شاہ نے اپنی اس ذمہ داری کو ایک انقلابی کی حیثیت سے احسن طریقے سے نبھایا اور وہ خطوط پوسٹ کر کے واپس جا رہے تھے کہ 22 اکتوبر 1947ء کو پڑی کے مقام پر گورنر گھنسارا سنگھ سے ان کا سامنا ہوا۔ ''آزادی گلگت بلتستان اور حقائق'' نامی کتاب کے منصف غلام رسول کے مطابق کیپٹن شاہ خان نے ایک تقریب میں 3 الگ الگ خطوط لکھنے کی تصدیق کی مگر منصف غلام رسول نے ان میں درج عبارات کے حوالے سے کیپٹن شاہ خان کا موقف بیان نہیں کیا ہے۔

(جاری ہے)

گلگت بلتستان کی داخلی خودمختاری اور اصل حقائق (6)

عبدالجبار ناصر

ان خطوط کے حوالے سے ایک روایت ڈاکٹر احمد حسن دانی کے حوالے سے بھی ہے۔ ڈاکٹر احمد حسن دانی کی ایک تحقیق کے مطابق خطوط قدم خان، جو جوشیلیا نقلابی نوجوان تھے، کے ذریعے بھیجنے کی کوشش کی گئی مگر راز افشا ہوا، جس کے باعث قدم خان کو ارادہ ترک کرنا پڑا، مگر مخبری کا الزام منشی مومن شاہ پر لگایا گیا، جس سے یہ روایت بھی مشکوک ہو جاتی ہے۔ مختلف تاریخی حوالوں کے بعد یہ محسوس ہوتا تھا کہ بعض افراد نے انفرادی خطوط تو لکھے مگر ان کا جواب ان کو کوئی نہیں ملا اور یہ خطوط یکم نومبر 1947ء کے انقلاب سے قبل لکھے گئے تھے۔ اس ضمن میں خاص بات یہ ہے کہ حکومت پاکستان نے اب تک کوئی ایسا ثبوت پیش نہیں کیا ہے، جس کی بنا پر یہ دعویٰ کیا جا سکے کہ حکومت پاکستان کے نمایندے کو گلگت طلب کرنے اور الحاق پاکستان کے حوالے سے کوئی معاہدہ ہوا ہے۔

غیر مشروط معاہدوں کے حوالے سے ہنزہ اور نگر کے میروں کے غیر مشروط الحاق کی بات کی جاتی ہے۔ اس ضمن میں جو ثبوت پیش کیے جاتے ہیں وہ 19 نومبر 1947ء کے ہیں۔ ہنزہ کے راجہ میر محمد جمال خان اور نگر کے راجہ میر شوکت علی خان نے الحاق کے جن معاہدوں پر 19 نومبر 1947ء کو دستخط کیے، ان کی عبارت ایک جیسی ہے اور یہ تحریر ٹائپ شدہ ہے، جس میں ''والئی ریاست'' اور ریاست کے نام اور دستخط کی جگہ ٹائپنگ سے خالی ہے، ان خالی جگہوں کو ہاتھ کی تحریر کے ذریعے پر کیا گیا ہے۔ یہ مبینہ دستاویزات الحاق کی دستاویز کی بجائے چندے کی رسیدیں محسوس ہوتی ہیں۔

16 نومبر 1947ء کو سردار عالم خان نے نوزائیدہ ریاست ''اسلامی جمہوریہ گلگت'' کو ختم کر کے پولیٹکل ایجنٹ کی حیثیت سے تمام اختیارات سنبھالے، کسی نے اس کی مزاحمت نہیں کی تو پھر 3 روز بعد ہنزہ اور نگر کے میروں نے 19 نومبر 1947ء کو اس مبینہ الحاقی دستاویز پر دستخط کیے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر میر صاحبان واقعی پاکستان سے الحاق اور خطے کی آزادی چاہتے تھے تو پھر ان کو 16 نومبر 1947ء کی بجائے 19 نومبر 1947ء کو معاہدہ کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ مزید یہ کہ ہنزہ اور نگر ضلع گلگت کی آج بھی ایک تحصیل ہیں، لاکھ کوشش کے باوجود آج تک ان دونوں ریاستوں اور ملحقہ علاقوں کو ملا کر ضلع نہیں بنایا جا سکا ہے، آخر ان ریاستوں کے میروں کو کس نے یہ اختیار دیا تھا کہ وہ 40 ہزار مربع میل پر پھیلے ہوئے گلگت بلتستان کا سودا کریں، جن کا اس خطے کے 90 فیصد علاقے سے کوئی تعلق ہی نہیں تھا اور تاریخ کے گلگت بلتستان کی آزادی میں ان میر صاحبان کا کوئی کردار بھی نہیں ہے۔ اگر انہوں نے پاکستان کے ساتھ الحاق کیا تھا تو پھر 28 اپریل 1949ء کو پاکستان کو کشمیری قیادت کے ساتھ ''معاہدہ کراچی'' کر کے گلگت بلتستان کے انتظام وانصرام کی ذمہ داری حاصل کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی۔

دراصل ہنزہ اور نگر کے میروں نے جب یہ دیکھا کہ خطے میں ڈوگرہ حکومت کا خاتمہ ہو چکا ہے اور اب مسلم ریاست پاکستان کے ایک نمایندے نے نظام حکومت سنبھالا ہے تو اپنی ریاست کو بچانے کا ان کے پاس یہ واحد طریقہ نظر آیا کہ پاکستان کے ساتھ مفاہمت کی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ 19 نومبر 1947ء تک دونوں ریاستوں کے راجہ ''تیل دیکھو اور تیل کی دھار دیکھو'' کے مصداق خاموش رہے۔ انہوں نے مہاراجہ کے خلاف یا حق میں اور نہ ہی انقلابیوں کے خلاف کوئی قدم اٹھایا، البتہ بعض تاریخی حوالوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ گلگت اسکاؤٹس میں ہنزہ اور نگر کے راجاؤں کے عزیز واقرباء کی ایک بڑی تعداد اعلیٰ عہدوں پر فائز ہونے کی وجہ سے ان راجاؤں نے پس پردہ بعض مراحل پر انقلابیوں کی پشت پناہی کی، جبکہ تاریخ میں مہاراجہ اور ان کے نمایندوں سے رابطوں اور وفاداری کی یقین دہانیوں کے بارے میں بھی درج ہے۔

دوسری طرف سرینگر میں آزاد کشمیر کے سابق صدر سردار ابراہیم خان سے رات کو خفیہ مقام پر میر آف ہنزہ میر محمد جمال خان کی ملاقات اور پاکستان کا جھنڈا لے کر گلگت پہنچنا والی ہنزہ کی پاکستان سے محبت کا ایک ثبوت ہے۔ یہ بات بھی تاریخ سے ثابت ہے کہ میر آف ہنزہ اور میر آف نگر نے انقلابی حکومت میں شمولیت کی بجائے براہ راست خود حکومت پاکستان سے ڈیل کی، یہی وجہ ہے کہ ان کے الحاق کی رسیدوں (دستاویز) پر 19 نومبر 1947ء کی تاریخ درج ہے، جبکہ انقلابی حکومت یکم سے 16 نومبر 1947ء تک قائم رہی اور 16 نومبر 1947ء کو صوبہ سرحد کا ایک مجسٹریٹ سردار عالم خان حکومت پاکستان کے نمایندے کے طور پر گلگت پہنچا اور اس نے آزاد جمہوری حکومت کے ساتھ ساتھ آزاد ''اسلامی جمہوریہ گلگت'' کا خاتمہ کیا۔ سردار عالم خان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان کو گورنر سرحد نے پاکستان کا نمائندہ بنا کر بھیجا تھا، یہی وجہ ہے کہ 16 نومبر 1947ء سے 27 اپریل 1949ء تک یہ خطہ عملاً گورنر صوبہ سرحد کے زیر انتظام رہا اور 28 اپریل 1949ء کے بدنام زمانہ ''معاہدہ کراچی'' کے بعد وزارت امور کشمیر نے اس کا انتظام سنبھالا۔

پاکستان سے الحاق کے حوالے سے 31 اکتوبر اور یکم نومبر 1947ء کے بعض وائرلیس پیغاموں کا بھی ذکر آتا ہے۔ جس کو کئی لوگ الحاق پاکستان کی دستاویز سے تعبیر کرتے ہیں۔ جو لوگ تاریخی معاہدوں سے واقف ہیں انہیں معلوم ہے کہ قوموں کی قسمت کے فیصلے اس طرح کے پیغاموں سے نہیں، بلکہ باہمی مشاورت اور اتفاق سے ہونے والے معاہدوں کی صورت میں ہوتے ہیں۔ الحاق کے حوالے سے بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ اس طرح کی کوئی دستاویز موجود نہیں ہے، جس سے یہ ثابت ہو کہ خطے کے عوام یا انقلابی حکومت نے متفقہ یا کثرت رائے سے کوئی دستاویز تیار کر کے حکومت پاکستان کو بھیج دی ہو اور حکومت پاکستان نے اس دستاویز میں درج شرائط کو کلی یا جزوی طور پر قبول کیا ہو۔ یہ

بات بھی درست ہے کہ خطے کے عوام پاکستان سے ایک مسلم ریاست ہونے کی وجہ سے عشق کی حد تک محبت کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ 16 نومبر 1949ء کو سردار عالم خان کی گلگت آمد اور "اسلامی جمہوریہ گلگت" کے خاتمے کے باوجود لوگوں نے کوئی مزاحمت نہیں کی اور انقلابی قائدین ایک الگ ریاست کا نظریہ رکھتے ہوئے بھی سردار عالم خان کے سامنے مزاحمت نہ کر سکے، یہاں تک کہ سردار عالم خان کو عبوری کابینہ برقرار رکھنے کے مشورے تک کو ماننے پر مجبور نہ کر سکے۔ یہ پاکستان سے محبت ہی کا نتیجہ تھا کہ 1960ء کی دہائی تک سردار عالم خان کے دوبارہ رائج کردہ پولیٹیکل نظام حکومت کے حوالے سے کسی کو بھرپور انداز میں سوال کرنے کی جرأت نہیں ہوئی، اگرچہ کچھ قائدین نے آواز اٹھائی مگر ان کو زیادہ پذیرائی نہیں ملی۔

(جاری ہے)

گلگت بلتستان کی داخلی خودمختاری اور اصل حقائق (7)

عبدالجبار ناصر

16 نومبر 1947ء کو آزاد ریاست ''اسلامی جمہوریہ گلگت'' پر سردار عالم خان کے شب خون مارنے کے باوجود گلگت بلتستان کے عوام پاکستان اور اسلام کی محبت میں نہ صرف خاموش رہے، بلکہ 1947ء سے 2009ء تک بنیادی انسانی و آئینی حقوق اور حق حکمرانی سے محروم ہوتے ہوئے بھی پاکستان کے لیے پاکستانیوں سے زیادہ قربانی دی۔ 1949ء، 1951ء، 1965ء اور 1971ء کی پاک بھارت جنگوں، 1999ء کی کارگل جنگ اور اکتوبر 1997ء نومبر 2003ء تک کنٹرول لائن پر بھارتی جارحیت کے علاوہ 62 سالوں کے دوران ہونے والی درجنوں بھارتی سازشوں کو ناکام بنانے میں پاکستانیوں سے زیادہ جذبے کے ساتھ قربانی دی۔

گلگت بلتستان کے بعض قوم پرستوں کا دعویٰ ہے کہ قیام پاکستان سے تاحال مختلف جنگوں میں قربان ہونے والوں میں ایک چوتھائی فوجیوں کا تعلق گلگت بلتستان سے اور باقی 3 چوتھائی کا پورے پاکستان اور آزاد کشمیر سے ہے۔ مزید یہ کہ اگر اس خطے کے عوام پاکستان سے محبت نہ کرتے تو وادی گریز (قمری) سے ضلع گنگ چھے کی چین اور مقبوضہ کشمیر سے ملنے والی سرحد تک سینکڑوں کلومیٹر طویل کنٹرول لائن کی پٹی پر بھارتی افواج کے لیے مداخلت اور مقامی لوگوں کو لالچ کے ذریعے ایجنٹ بنانے کے کئی مواقع تھے۔ خطے کی 62 سالہ تاریخ میں کوئی ایک شخص ایسا سامنے نہیں آیا جس پر اس خطے میں رہتے ہوئے بھارتی جاسوسی کا حقیقت پر مبنی الزام ثابت ہو۔ خطے سے جتنے بھی جاسوس پکڑے گئے ان سب کا تعلق پاکستان کے مختلف علاقوں سے تھا، اس لیے گلگت بلتستان کے عوام کے جائز مطالبات کو دوسری نظر سے نہ دیکھا جائے، چاہیے تو یہ تھا کہ حکومت پاکستان اور حکومت آزاد کشمیر خطے کی ترقی میں بھرپور کردار ادا کرتے مگر دونوں نے تقریباً اسے نظرانداز کیا۔

گلگت بلتستان پر پاکستان پڑوسی اسلامی ریاست ہونے کے حوالے سے بھی اپنا حق جتاتا ہے، یہ بات اپنی جگہ صحیح بھی ہے کہ خطے میں پاکستان واحد اسلامی ریاست ہے جس سے گلگت بلتستان کی اکثر سرحدیں ملتی ہیں اور مختلف خطوں کے لیے آمدورفت کے آسان ذرائع بھی پاکستان کے رستے سے ہیں، مگر سوال پھر بھی پیدا ہوتا ہے کہ کیا 16 نومبر 1947ء سے تاحال پاکستانی حکمرانوں نے اس کا خیال رکھا؟ گلگت بلتستان پاکستان کا حصہ ہونے کے حوالے سے بعض افراد کے دعوے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ دوقومی نظریہ اور تقسیم ہند کے فارمولے کے تحت مسلمان اکثریتی علاقے پاکستان کا حصہ ہیں، اس لیے گلگت بلتستان پاکستان کا آئینی حصہ ہے اور خطے کو پاکستان کا پانچواں صوبہ بنانا ضروری ہے۔

کچھ افراد یہ دلیل دیتے ہیں کہ 1940ء کی دہائی میں پوری ریاست جموں و کشمیر میں مسلم کانفرنس اور نیشنل کانفرنس دو ہی منظم مسلم تنظیمیں تھیں۔ قیام پاکستان سے قبل ہی 19 جولائی 1947ء کو مسلم کانفرنس کے رہنما سردار محمد ابراہیم خان کی سرینگر میں رہائش گاہ محلہ آبی گزر پر مسلم کانفرنس کی مجلس عاملہ کے اجلاس میں عبدالرحیم درانی کی قرارداد کے ذریعہ ریاست کا الحاق پاکستان سے کرنے کی منظوری دی گئی، کیونکہ اس وقت ریاست کے مسلمانوں کے پاس تین راستے تھے: (1) بھارت سے الحاق کا اعلان کریں (2) پاکستان سے الحاق کا فیصلہ کریں اور (3) آزاد اور خودمختار ریاست کا اعلان کریں۔ مسلم کانفرنس نے مذہبی، نظریاتی، سرحدی، ثقافتی اور اقتصادی رشتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے پاکستان سے الحاق کی قرارداد 19 جولائی 1947ء کو منظور کی۔ اس وقت تک خطے کے کسی بھی حصے میں جنگ آزادی شروع نہیں ہوئی تھی اور ریاست میں مہاراجہ ہری سنگھ کی حکومت تھی، جبکہ گلگت ولداخ (بلتستان) اس ریاست کا رقبے کے حساب سے سب سے بڑا صوبہ تھا اور یہ دعویٰ بھی کیا جاتا ہے کہ اس اجلاس میں گلگت بلتستان کے بعض مسلم نمائندوں نے بھی شرکت کی، اس لیے گلگت بلتستان پاکستان کا حصہ ہے، جبکہ پاکستان روزِ اول سے ریاست جموں و کشمیر (بشمول گلگت بلتستان) اپنی شہ رگ قرار دیتا ہے مگر پاکستان نے گلگت بلتستان کو بعض بین الاقوامی مجبوریوں کی وجہ سے اپنا آئینی صوبہ قرار نہیں دیا۔ مندرجہ بالا وہ حقائق ہیں جن کی بنیاد پر یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ گلگت بلتستان پاکستان کا یقینی حصہ ہے۔

تیسرا دعویدار بھارت ہے جس کے پاس اپنے دعوے کو سچ ثابت کرنے کے لیے دو ہی دلیلیں ہیں: ایک یہ کہ 26 اکتوبر 1947ء کو ریاست کے قانونی حکمران مہاراجہ ہری سنگھ نے بھارت سے الحاق کیا ہے۔ مہاراجہ کے بھارت کے ساتھ الحاق کے معاہدے میں یہ شرط بھی شامل ہے کہ ریاست جموں و کشمیر میں نظم و نسق کی بحالی اور ریاست کو حملہ آور (قبائلیوں) سے پاک کرنے کے بعد الحاق کا فیصلہ عوام پر چھوڑ دیا جائے گا۔ اسی معاہدے کے تحت لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے 27 اکتوبر 1947ء کو ریاست جموں و کشمیر میں بھارت کی بری اور فضائی فوج کی بھاری تعداد داخل کی۔ مہاراجہ نے بھارت کے ساتھ الحاق کی ایک بڑی وجہ ریاست میں پاکستانی قبائلی علاقوں سے مبینہ حملہ آوروں کی مداخلت ظاہر کی۔

بھارت کے پاس دوسری بڑی دلیل ''معاہدہ دہلی'' ہے، جو 1952ء میں ہوا۔ اس معاہدے کے حوالے سے مقبوضہ کشمیر کے نمائندوں اور بھارتی حکومت کے مابین طویل مذاکرات ہوئے جس کے بعد کشمیر اسمبلی سے اس کی منظوری حاصل کی گئی۔ معاہدے کے مطابق ریاست کا ہر باشندہ بھارت کا شہری ہوگا۔ دیگر 7 نکات میں سے اہم نکتہ یہ بھی تھا کہ ریاست کا اپنا جھنڈا ہوگا مگر بھارت کے جھنڈے کو فوقیت حاصل ہوگی۔ بھارت سے معاہدہ کرنے والوں اور خود بھارت کا دعویٰ ہے کہ 1952ء کے دہلی معاہدے میں بنیادی حیثیت 27 اکتوبر 1947ء کو مہاراجہ کشمیر کے الحاق کو

دی گئی ہے اور اسی کی بنیاد پر ریاست کو بھارت کا حصہ قرار دیا گیا، کیونکہ مہاراجہ کے الحاق اور ’’معاہدہ دہلی‘‘ کا اطلاق پوری ریاست پر ہوتا ہے، اس لیے گلگت بلتستان ریاست کا حصہ ہونے کی وجہ سے مہاراجہ کے بھارت سے الحاق اور ’’معاہدہ دہلی‘‘ کے مطابق بھارت کا اٹوٹ انگ (یقینی حصہ) ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ معاملہ شاہراہ قراقرم کی تعمیر کا ہو یا دیامر بھاشا ڈیم کی تعمیر کا، مقامی لوگوں کے احتجاج کو سختی سے دبانے کی کوشش ہو یا حکومت پاکستان کی انتظامی اصلاحات، بیرونی سرمایہ کاری ہو یا سرحدی تنازعات کے حوالے سے 2 مارچ 1963ء کا پاک چین معاہدہ سمیت خطے کے تمام معاملات پر بھارت بھرپور احتجاج کرتا رہا ہے۔ حال ہی میں بونجی ڈیم کی تعمیر کے حوالے سے بھارت نے بہت ہی سخت لہجہ اختیار کیا، جبکہ کہا جاتا ہے کہ بھارت کے بیک ڈور رابطوں اور انہی معاہدات کی وجہ سے حکومت پاکستان کے لیے دیامر بھاشا ڈیم کے لیے بیرونی امداد کے حصول میں شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ بھارت نے 1952ء میں ’’معاہدہ دہلی‘‘ کے مطابق ہی اپنے آئین میں ریاست جموں وکشمیر کو دفعہ 370 کے تحت خصوصی حیثیت دی ہوئی ہے۔

(جاری ہے)

گلگت بلتستان کی داخلی خودمختاری اور اصل حقائق (8)

عبدالجبار ناصر

گلگت بلتستان بھارت کا اٹوٹ انگ (یقینی حصہ) ہونے کے حوالے سے بھارت کا دعویٰ اس لیے درست نہیں ہے کہ مہاراجہ کے بھارت کے ساتھ الحاق کے بعد خطے کے عوام نے بزور طاقت آزادی حاصل کی اور اپنی اس آزادی کو آج تک برقرار رکھا ہوا ہے، جبکہ 1952ء میں کشمیر اسمبلی کی کوئی آئینی حیثیت نہیں تھی، اس لیے کہ ریاست کے بڑے خطوں گلگت بلتستان اور آزاد کشمیر کی اس اسمبلی میں کوئی نمایندگی نہیں تھی، جب نمایندگی ہی نہیں تھی تو پھر شیخ عبداللہ یا کسی اور کو کس نے یہ اختیار دیا کہ وہ 44 ہزار مربع میل علاقے کے 40 لاکھ عوام کی قسمت کا فیصلہ ان کی نمایندگی کے بغیر کریں۔ اگر چہ بھارت نے اپنے دعوؤں کو سچ ثابت کرنے کے لیے لوک سبھا اور کشمیر اسمبلی میں گلگت بلتستان کے لیے نشستیں خالی رکھی ہیں، جن کی تعداد بالترتیب 6 اور 15 ہے، یہ نشستیں ہر بار خالی رکھی جاتی ہیں۔

بھارت نے اپنے دعوے کو سچ ثابت کرنے کے لیے اور بھی بڑی کوششیں کیں۔ 27 اکتوبر 1947ء سے 1999ء کی کرگل جنگ تک بھارت آزاد علاقے کے تقریباً 8 ہزار مربع میل علاقے پر قبضہ کر چکا ہے۔ 1980ء کی دہائی میں سیاچن پر بھارتی قبضہ پوری ریاست کو ہڑپ کرنے کی سازش کا حصہ ہے۔ 1999ء کی کرگل جنگ میں پاکستانی فوج نے مقبوضہ کشمیر کے جن علاقوں پر قبضہ کیا تھا، وہ 1970ء تک گلگت بلتستان کے آزاد حصے میں شامل تھے، مگر 1970ء سے 1985ء تک بھارت نے مختلف کارروائیوں کے دوران ان علاقوں پر قبضہ کیا۔

ہمارے پالیسی اور منصوبہ سازوں کی غلط حکمت عملی کی وجہ سے ہم 1999ء میں کرگل کی جیتی ہوئی جنگ ہار گئے۔ اس بات کی تحقیقات ہونی چاہیے کہ کرگل جنگ کی منصوبہ بندی کس نے کی اور سپلائی لائن کو بحال رکھنے سمیت دیگر جنگی اقدام کیوں نہیں کیے گئے۔ جس میں بھارتی فوج کے مقابلے میں بھاری توپ خانے اور فضائیہ کا استعمال بھی شامل ہے، کیونکہ کرگل جنگ میں ناکامی کی تین ہی وجوہ ہیں: (1) بھارتی قبضے سے اپنے علاقہ آزاد کرانے والے مجاہدین کے لیے سپلائی لائن برقرار نہیں رکھی گئی (2) بھارتی فضائیہ کو کنٹرول لائن تک داخل ہو کر کارروائی کرنے کی کھلی چھوٹ دی گئی، جس کی وجہ سے اگلے محاذ پر لڑنے والے مجاہدین بے بس ہو گئے (3) بھارتی توپ خانے کے مقابلے میں اپنا توپ خانہ استعمال کرنے کا فیصلہ کس نے اور کیوں کیا، جس کی وجہ سے ہی ہم جیتی ہوئی جنگ ہار گئے اور اپنی بعض اہم چوکیوں سے بھی محروم ہو گئے، جبکہ گلگت بلتستان کے سینکڑوں جوانوں نے وطن کے دفاع کے لیے قربانی دی۔

یہاں پر کرگل جنگ کا ذکر ضمناً آیا ہے، کیونکہ ہمارا موضوع صرف خطے کی آئینی پوزیشن اور اصل حقائق ہیں۔ کرگل جنگ کے حوالے سے کئی حقائق آج تک منظر عام پر نہیں لائے گئے ہیں، جن کا اظہار قوم کے سامنے ضروری ہے۔ اسی

طرح سیاچن پر بھارتی قبضے کے بعد ہمارے حکمرانوں اور منصوبہ سازوں کی مجرمانہ خاموشی کے حوالے سے قوم کو حقائق سے آگاہ کرنا نہایت ضروری ہے۔ امید ہے کہ ان شاء اللہ تعالیٰ خطے کا کوئی باہمت فرد یہ ذمہ داری پوری کرے گا۔

گلگت بلتستان کے بعض علاقوں کا ایک اور دعویدار پاکستان کا دوست ملک چین بھی ہے۔ 2مارچ 1963ء کو سابق صدر ایوب خان کے دور میں پاکستان اور چین کے مابین "پاک چین سرحدی معاہدہ" ہوا جس میں چین کے وزیر خارجہ چن پی اور پاکستانی وزیر خارجہ ذوالفقار علی بھٹو نے دستخط کیے۔ اس معاہدے کے ذریعے چین نے اپنے صوبے سنکیانگ کی سرحد کے ساتھ گلگت بلتستان کا 1868ء مربع میل علاقہ حاصل کیا اور معاہدے میں یہ بات شامل کی گئی کہ ریاست جموں وکشمیر متنازعہ ہے، تنازع کشمیر کے حتمی حل کے بعد ریاست کشمیر کے ان علاقوں (جو چین نے گلگت بلتستان سے حاصل کیے ہیں) کے بارے میں گلگت بلتستان میں جو بھی حکومت ہوگی اس کے ساتھ از سر نو معاہدہ کیا جائے گا۔ بھارت نے اس معاہدے پر شدید احتجاج کیا اور بھارت نے سلامتی کونسل کے صدر کے نام اپنے احتجاجی مراسلے میں اس معاہدے کو سلامتی کونسل اور اقوام متحدہ کے کمیشن برائے پاک وہند کی قراردادوں کی خلاف ورزی بھی قرار دیا، جبکہ چین اکتوبر 1962ء کی چین بھارت جنگ کے دوران ریاست جموں وکشمیر کے علاقے اقصائے چن اور مشرقی لداخ میں دم چوک کے علاقوں میں تقریباً 8 ہزار مربع میل غیر آباد رقبے پر قبضہ کر چکا ہے۔ اس طرح اس وقت چین کے پاس 15 اگست 1947ء کو قائم ریاست جموں وکشمیر کا تقریباً 10 ہزار مربع میل علاقہ ہے۔

(جاری ہے)

گلگت بلتستان کی داخلی خودمختاری اور اصل حقائق (9)

عبدالجبار ناصر

چین کے قبضے کے بعد ریاست جموں و کشمیر 4 حصوں میں تقسیم ہوگئی:(1) مقبوضہ کشمیر (وادی کشمیر، جموں، لداخ، کرگل اور لیہہ) کا 43 مربع میل علاقہ بھارت کے زیر قبضہ (2) گلگت بلتستان 28 ہزار مربع میل علاقہ پاکستان کے زیر کنٹرول (3) اقصائے چن تقریباً 10 ہزار مربع میل علاقہ چین کے زیر کنٹرول اور (4) آزاد کشمیر کا سوا 4 ہزار مربع میل علاقہ ہے، جس میں اگرچہ آزاد ریاست کے نام سے حکومت قائم ہے مگر یہ علاقہ عملاً پاکستان کے زیر کنٹرول ہے۔ آبادی کے حساب سے اول مقبوضہ کشمیر، دوسرے نمبر پر آزاد کشمیر، تیسرے نمبر پر گلگت بلتستان اور چوتھے نمبر اقصائے چن ہے۔

گلگت بلتستان کے پانچواں بنیادی اور حقیقی دعویدار 28 ہزار مربع میل پر پھیلے ہوئے 20 لاکھ غیور عوام ہیں، جن کو پاکستان، کشمیری قیادت، چین اور بھارت نے کلی طور پر نظر انداز کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ 1947ء سے اب تک ہونے والے پاک بھارت مذاکرات میں گلگت بلتستان کے عوام کو شامل کیا گیا اور نہ ہی ان کو اعتماد میں لیا گیا۔ 2 مارچ 1963ء کو ہونے والے پاک چین سرحدی معاہدے میں بھی خطے کے عوام کو کلی طور پر نظر انداز کیا گیا، حالانکہ اس کے ذریعے گلگت بلتستان کا 1868 مربع میل کا علاقہ چین کو دیا گیا۔

اسی طرح کشمیری قیادت مقبوضہ خطے کی ہو یا آزاد خطے کی وہ مذاکرات یا تنازع کشمیر کے حل کے حوالے سے ہونے والے کسی بھی عمل میں تیسرے فریق کشمیریوں کو لازمی شامل کرنے کا مطالبہ کرتی ہے اور گلگت بلتستان کے عوام کو یہ کہہ کر مطمئن کرتی ہے کہ تیسرے فریق میں گلگت بلتستان بھی شامل ہے، مگر تیسرے فریق کے حوالے سے جب بھی پاکستان، بھارت یا کسی اور قوت نے ریاست جموں و کشمیر کی کشمیری قیادت سے بات کی ہے تو وہاں پر نمائندگی صرف مقبوضہ اور آزاد کشمیر کو دی گئی۔ اس وقت پاکستان، بھارت اور پوری دنیا کل جماعتی حریت کانفرنس کو مجموعی طور پر ریاست جموں و کشمیر کا نمائندہ اور حقیقی عوامی حمایت یافتہ اتحاد مانتی ہے، جس کی اصل قیادت مقبوضہ کشمیر میں ہے اور آزاد کشمیر میں حریت کانفرنس کی شاخ ہے، مگر حریت کانفرنس جیسے اتحاد میں بھی گلگت بلتستان کو نمائندگی نہ دے کر خود کشمیری قیادت نے یہ بات تسلیم کرلی ہے کہ اگرچہ گلگت بلتستان 15 اگست 1947ء میں قائم ریاست جموں و کشمیر کا حصہ ہے مگر خطہ کشمیر اور تنازع کشمیر میں عملاً گلگت بلتستان کا کوئی کردار نہیں ہے۔

2004ء کے بعد جب پاک بھارت مذاکرات میں تیزی آئی، تو مقبوضہ کشمیر کے رہنماؤں نے پاکستان کے مختلف دورے کیے۔ ان دورہ کرنے والوں میں حریت کانفرنس (میرواعظ گروپ) کے سربراہ میرواعظ عمر فاروق، عباس

انصاری، پروفیسر عبدالغنی بٹ، سجاد عبدالغنی لون اور لبریشن فرنٹ (یاسین ملک گروپ) کے سربراہ یاسین ملک شامل تھے۔ انہوں نے 2004ء سے 2009ء تک مختلف مواقع پر اجتماعی اور انفرادی سرکاری یا نجی دوروں کے دوران پاکستان کے مختلف شہروں کے علاوہ آزاد کشمیر کے مختلف شہروں کے نہ صرف دورے کیے، بلکہ متعدد بار آزاد کشمیر کی قیادت کو تنازع کشمیر کے حل کے حوالے سے اعتماد میں لیا۔ دوسری جانب انہوں نے گلگت بلتستان کو کلی طور پر نظرانداز کرتے ہوئے اس خطے کی طرف رخ کرنا بھی گوارا نہیں کیا۔ اس عرصے میں راقم کے کراچی میں ان رہنماؤں سے پریس کانفرنسوں، انٹرویوز اور انفرادی طور پر درجنوں بار ملاقات ہوئی اور ہر بار ان رہنماؤں سے گلگت بلتستان کی قیادت سے مشاورت کرنے کے حوالے سے سوالات کیے (جو میڈیا میں شائع ہو چکے ہیں) تاہم ان رہنماؤں نے ان سوالات کو درخور اعتناء ہی نہ سمجھا اور اپنے دوروں میں 28 ہزار مربع میل پر پھیلے ہوئے گلگت بلتستان کے مقابلے میں سوا چار ہزار مربع میل پر مشتمل آزاد کشمیر کو ترجیح دی اور گلگت بلتستان کا رخ ہی نہ کیا، البتہ ایک بار خطے کے عوام کے شدید احتجاج اور میڈیا کی شدید تنقید کے بعد کشمیر کی قیادت نے اسلام آباد میں گلگت بلتستان کے مختلف رہنماؤں سے ملاقات کی، حالانکہ حریت کانفرنس کے رہنما سجاد غنی لون کی گلگت بلتستان میں انتہائی قریبی رشتہ داری ہے، جبکہ ان کے والد عبدالغنی لون کا تعلق بھی گلگت بلتستان کی وادی استور کے قریب کشمیر کی قریب ترین وادی گریز سے ہے، جس کی وجہ سے ماضی میں گریز اور استور کا بہت گہرا تعلق رہا ہے۔ سجاد غنی لون کے چھوٹے بھائی بلال غنی لون نے لبریشن فرنٹ (امان اللہ گروپ) کے سربراہ امان اللہ خان کی بیٹی سے شادی کی ہے، جن کا تعلق گلگت بلتستان ضلع استور کے علاقے لوس سے ہے۔ ان قریبی رشتہ داریوں کے باوجود بھی حریت قیادت نے یہاں قدم رکھنا گوارا نہیں کیا، جس سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ کشمیری قیادت عملاً گلگت بلتستان سے دستبردار ہوئی ہے، اب وہ صرف عوام کو دھوکا دینے اور عالمی سطح پر بھارتی دباؤ سے بچنے کے لیے گلگت بلتستان کو صرف زبان کی حد تک اپنا خطہ قرار دے رہی ہے۔ اب گلگت بلتستان کے حالیہ پیکیج کے حوالے سے کشمیری قیادت کا احتجاج بے معنی ہے۔

2007ء میں کراچی کے ایک مقامی آڈیٹوریم میں لبریشن فرنٹ (یاسین ملک گروپ) کی ایک تقریب ہوئی، جس کا اہتمام ڈان گروپ کے سربراہ حمید ہارون نے کیا تھا۔ تقریب میں ہونے والی تصویری نمائش میں کشمیر کا نقشہ بھی موجود تھا۔ عجیب بات یہ تھی کہ اس نقشے میں گلگت بلتستان کا خطہ شامل نہیں تھا۔ جب راقم نے اس جانب توجہ دلائی تو ابتداء میں حمید ہارون نے انکار کیا اور کہا کہ یہ نقشہ صحیح ہے تاہم جب پریس کانفرنس کے دوران راقم نے اسی حوالے سے یاسین ملک سے سوال کیا تو انہوں نے اعتراف کیا کہ نمائش میں رکھا ہوا نقشہ نامکمل ہے، جس میں گلگت بلتستان کو شامل نہیں کیا گیا ہے، البتہ انہوں نے اس پر افسوس کا اظہار بھی نہیں کیا، جس سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ کشمیری قیادت کو گلگت بلتستان سے عملاً کوئی دلچسپی نہیں ہے۔

(جاری ہے)

گلگت بلتستان کی داخلی خودمختاری اور اصل حقائق (10)

عبدالجبار ناصر

یاسین ملک نے گلگت بلتستان کے حوالے سے حکومت پاکستان کے حالیہ اصلاحاتی پیکیج پر شدید تنقید کرتے ہوئے اسے تنازع کشمیر کی پیٹھ پر چھرا گھونپنے کے مترادف قرار دیا ہے حالانکہ اصل چھرا تو یاسین ملک اور دیگر کشمیری قیادت نے گلگت بلتستان کے عوام پر 28 سال سے گھونپنے کا سلسلہ شروع کیا جو تاحال جاری ہے۔ اس قیادت نے آزاد کشمیر اور مقبوضہ کشمیر میں انتظامی اختیارات سمیت تمام سہولیات کو حاصل کی مگر جب بھی گلگت بلتستان کو سہولت دینے کی بات ہوئی تو اپنے احتجاج کے ذریعے خطے کے عوام کو محروم رکھنے کی کوشش کی ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ آزاد کشمیر اور مقبوضہ کشمیر میں اسٹیٹ سبجیکٹ رول آج بھی قائم ہے جس کے تحت ریاست سے باہر کا کوئی بھی آدمی زمین نہیں خرید سکتا ہے اور یہ قانون مہاراجہ گلاب سنگھ نے بنایا ہے جس پر آج بھی بھارت اور پاکستان مقبوضہ اور آزاد کشمیر میں کاربند ہے، دوسری طرف گلگت بلتستان میں 1947ء کے بعد فوری طور پر اس قانون کو نظرانداز کرتے ہوئے بیوروکریسی نے بڑی بڑی جاگیریں اپنے نام کرالیں، کسی کشمیری کو اس پر احتجاج کرنے کی توفیق نہیں ہوئی۔ اگر کشمیری قیادت واقع اس خطے کو ریاست جموں وکشمیر کا خطہ دل سے مانتی ہے تو پھر اس امر پر بھی اپنا احتجاج ریکارڈ کراتے ہوئے حکومت پاکستان کو مجبور کرنا چاہیے کہ وہ اپنی بیوروکریسی کو اس خطے میں جائیدادیں بنانے سے روکے۔

نظرانداز کرنے کا عمل صرف حریت کانفرنس تک محدود نہیں بلکہ ریاست جموں وکشمیر کی اکثر سیاسی اور قوم پرست تنظیموں کا بھی یہی حال ہے۔ صرف ریاست جموں وکشمیر کی نمائندگی کرنے والی جماعت مسلم کانفرنس ہو یا نیشنل کانفرنس یا کوئی اور تنظیم سب نے اس خطے کو کلی طور پر نظرانداز کیا ہے۔ البتہ جموں وکشمیر لبریشن فرنٹ واحد جماعت ہے جس کی شاخ گلگت بلتستان میں قائم ہے اس کی وجہ بھی یہ ہے کہ اس جماعت کے بانی رکن اور چیئرمین امان اللہ خان کا تعلق گلگت بلتستان کے ضلع استور کے علاقے پرشنگ سے ہے۔

کشمیریوں کی ایک بڑی نمائندہ جماعت نیشنل کانفرنس کا یہ عالم ہے کہ اس کی قیادت نے 1946ء کے بعد خطے کا رخ ہی نہیں کیا اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ جماعت دراصل بھارتی ایجنٹوں کا ایک ٹولہ ہے۔ البتہ وقتاً فوقتاً شیخ محمد عبداللہ، فاروق عبداللہ اور عمر عبداللہ اس جماعت کے قائدین کی حیثیت سے بیانات جاری کرتے ہیں جن میں وہ گلگت بلتستان، آزاد کشمیر اور اقصائے چن کو ریاست کا حصہ قرار دیتے ہیں۔ 3 سال قبل بی بی سی کے ایک پروگرام میں راقم نے نیشنل کانفرنس کے مرکزی رہنما اور مقبوضہ کشمیر کے موجودہ وزیراعلیٰ عمر عبداللہ سے یہی سوال کیا کہ اگر گلگت بلتستان ریاست جموں وکشمیر کا حصہ ہے تو پھر اس خطے کو نظرانداز کیوں کیا جاتا ہے۔ جس پر انہوں نے پرانا موقف دہرایا اور کہا

کہ ''گلگت بلتستان ریاست کا حصہ ہے اور تنازع کشمیر کے حوالے سے ہر طرح کے عمل میں دیگر کشمیریوں کی طرح اس خطے کے عوام کو بھی اعتماد میں لینا چاہیے''۔ نیشنل کانفرنس کے شیخ محمد عبداللہ آخری رہنما ہیں جنہوں نے 1946ء میں گلگت بلتستان کے ضلع استور تک براستہ وادی گریز دورہ کیا اور جب لوگوں نے انہیں نظرانداز کیا تو شیخ صاحب نے جاتے جاتے یہ تبصرہ کیا کہ ''ان علاقوں کے عوام کو سیاسی طور پر جاگنے میں ابھی ایک صدی لگ سکتی ہے'' اور اسی تبصرے کے ساتھ ہی واپس سرینگر چلے گئے مگر خطے کے عوام نے ایک سال بعد ہی ایک طرف سرینگر کے قریب تراگبل، دوسری طرف وادی نیلم کے علاقے شاردہ اور تیسری طرف وادی کرگل تک ڈوگرہ حکومت کو شکست دے کر شیخ صاحب کے تبصرے کو غلط ثابت اور اپنی سیاسی بیداری کا ثبوت دیا، غالباً نیشنل کانفرنس آج بھی شیخ صاحب کے اسی تبصرے پر کاربند ہے اور یہی وجہ ہے کہ نیشنل کانفرنس نے گلگت بلتستان کے حوالے سے بھارت کے ساتھ مل کر سازشیں تو کیں مگر عملی طور پر خطے میں قدم جمانے یا خطہ کے حوالے سے کوئی عملی اقدام کرنے کی کوشش نہیں کی۔

ریاست جموں و کشمیر کی دوسری اور آزاد کشمیر کی واحد نمائندہ کشمیری سیاسی جماعت مسلم کانفرنس کا کردار بھی نیشنل کانفرنس سے مختلف نہیں بلکہ بھیانک رہا کیونکہ 28 اپریل 1949ء کے بدنام زمانہ اور انسانیت دشمن معاہدہ کراچی میں بنیادی فریق مسلم کانفرنس ہی تھی۔ اگرچہ 16 نومبر 1947ء کے بعد پاکستانی پولیٹیکل ایجنٹ سردار عالم خان نے گلگت بلتستان میں ''ایف سی آر'' کا کالا قانون نافذ کر کے عملاً سیاسی سرگرمیوں پر پابندی عائد کردی تھی۔ تاہم 1949ء میں مسلم کانفرنس کے رہنما چودھری غلام عباس نے گلگت بلتستان کا دورہ کیا اور 28 اپریل 1949ء کے عوام دشمن معاہدے کا فریق ہونے کے باوجود گلگت، سکردو اور استور میں ان کا بھرپور استقبال کیا گیا۔ اس دور کے دوران چودھری غلام عباس نے مسلم کانفرنس کی شاخیں قائم کی۔ بلتستان شاخ کا سربراہ وزیر غلام مہدی، استور شاخ کا سربراہ پیرزادہ عالم اور گلگت شاخ کا سربراہ جوہر علی خان اور غلام محمد گون کو مقرر کیا مگر مسلم کانفرنس کی سرگرمیاں زیادہ دیر قائم نہ رہ سکیں کیونکہ ان سرگرمیوں سے پاکستانی پولیٹیکل ایجنٹ اور انتظامیہ شدید خوفزدہ تھیں۔ استور شاخ کے سربراہ پیرزادہ عالم کو گرفتار کیا تو عوام نے حوالات کے دروازے توڑ کر ان کو رہا کرایا بعدازاں مجبوراً ان کو سرنڈر ہو کر سرکاری ملازمت اختیار کرنا پڑی۔ بلتستان شاخ کے سربراہ وزیر غلام مہدی پر مقدمات قائم ہوئے، جوہر علی خان اور غلام محمد گون کو مجبوراً ایک طویل عرصہ اپنی سرزمین سے دور زندگی گزارنا پڑی۔ چودھری غلام عباس مسلم کانفرنس کے آخری راہنماء تھے جنہوں نے پاکستان کی اجازت سے خطے میں مسلم کانفرنس کی شاخیں قائم کر کے کم از کم آزاد کشمیر اور گلگت بلتستان کو سیاسی طور پر متحد کرنے کی کوشش کی۔

1949ء کے دورے کے بعد ان کے نامزد کردہ رہنماؤں کے ساتھ انتظامیہ کے سلوک سے وہ خود بھی مایوس ہوئے

اوراس کے بعدان کی زیادہ کوشش ان رہنماؤں پر قائم مقدمات ختم کرانے میں رہی ۔ (چودھری غلام عباس اوران کے ساتھیوں کے آخری دورۂ گلگت بلتستان کے حوالے سے بعض مصنفین نے اس کی تاریخ 1951ء لکھی ہے تاہم درست تاریخ 1949ء ہی معلوم ہوتی ہے۔)

اس کے بعد مسلم کانفرنس کے غازی ملت (سردار ابراہیم خان)، مجاہد اول (سردار عبدالقیوم خان)، قلندر (سردار سکندر حیات خان) اور چھوٹے سردار (سردار عتیق احمد خان) تک کسی رہنما نے گلگت بلتستان میں مسلم کانفرنس کو فعال کرنے کوشش نہیں کی بلکہ وہ تو آزاد کشمیر میں اقتدار کے مزے لوٹتے رہے۔ آزاد کشمیر میں اقتدار میں ہوتے ہوئے بھی ان رہنماؤں نے گلگت بلتستان اور آزاد کشمیر کے مابین پیدا ہونے والی دوریوں کے خاتمے یا گلگت بلتستان کے عوام کی فلاح و بہبود کے لیے آواز نہیں اٹھائی بلکہ جب کبھی حکومت پاکستان نے اصلاحات کی کوشش کی تو یہ لوگ رکاوٹ بنے۔ آزاد کشمیر میں تو ہر طرح کی ترقی ہوئی مگر گلگت بلتستان محروم رہا۔ مسلم کانفرنس کے رہنماؤں نے 1990ء تک آزاد کشمیر میں سڑکوں کا جال بچھایا مگر گلگت بلتستان اور آزاد کشمیر کو ملانے والے راستے وادی نیلم (تاؤبٹ) سے گلگت بلتستان کے ضلع استور کی وادی گریز (قمری) اور وادی نیلم (کیل) سے استور (شونٹر نالہ) جبکہ وادی نیلم شاردہ سے چلاس تک رابطہ سڑکیں تعمیر نہ کر سکے جن کی لمبائی مجموعی طور پر 200 کلومیٹر سے بھی کم ہے البتہ 1990ء کے بعد جب خطے میں قوم پرستوں کی جانب سے دونوں خطوں کو ملانے کے لیے کوششیں تیز ہوئی تو پھر مسلم کانفرنس کی قیادت کو احساس ہوا اور انہوں نے تاؤبٹ سے قمری تک کی سڑک کے علاوہ باقی سڑکوں پر کام شروع کیا، یوں ایک طویل عرصے کے بعد دونوں خطوں کے لیے آمدورفت کے آسان مواقع میسر آئے مگر گلگت بلتستان میں مسلم کانفرنس نے سیاسی طور پر کوئی کام نہیں کیا اور نہ ہی خطے کے عوام کے تحفظات کے خاتمے کے لیے کوئی مناسب اقدام کیے۔ یہی وجہ ہے کہ گلگت بلتستان کے عوام مسلم کانفرنس کو اپنی محرومیوں کا ذمہ دار قرار دیتے ہیں کیونکہ اسی جماعت نے بدنام زمانہ "معاہدہ کراچی" کے تحت گلگت بلتستان عوام کی جدوجہد کو محرومیوں میں بدل دیا۔

(جاری ہے)

گلگت بلتستان کی داخلی خودمختاری اور اصل حقائق (11)

عبدالجبار ناصر

1949ء میں مسلم کانفرنس کے سربراہ چودھری غلام عباس اور ان کے ساتھیوں کے دورہ گلگت بلتستان کے بعد 1965ء تک سوائے آزاد کشمیر کے سابق صدر کے ایچ خورشید کے کسی کشمیری رہنما نے گلگت بلتستان کے حوالے سے کوئی موثر آواز نہیں اٹھائی۔ اس کی کئی وجوہ تھیں۔ نمبر ایک یہ کہ 16 نومبر 1947ء کو آزاد ریاست گلگت کے اقتدار پر قبضے کے بعد پاکستانی پولیٹیکل ایجنٹ سردار عالم خان نے ایف سی آر کا کالا قانون نافذ کر دیا تھا، جس سے نہ صرف مقامی بلکہ باہر کے لوگ بھی خوف زدہ تھے۔ نمبر 2 یہ کہ کشمیری قیادت کو 1949ء میں چودھری غلام عباس اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ پاکستان کے ماتحت گلگت بلتستان کی مقامی انتظامیہ کے رویہ کا بھی علم تھا۔ نمبر 3 یہ کہ کشمیری قیادت پاکستان کے رحم وکرم پر تھی۔ نمبر 4 یہ کہ آزاد کشمیر کی قیادت میں سے سوائے امان اللہ خان اور کے ایچ خورشید کے کسی کا گلگت بلتستان سے کوئی ذاتی تعلق نہیں تھا۔ اس لیے خطے کو نظر انداز کیا گیا۔ جموں وکشمیر لبریشن فرنٹ کے رہنما امان اللہ خان کا تعلق گلگت بلتستان سے ہی ہے جبکہ کے ایچ خورشید خود گلگت میں پیدا ہوئے تھے، کیونکہ ان کے والد مولوی محمد حسین گلگت کے اسکول میں ہیڈ ماسٹر تھے۔

نمبر 5 یہ کہ 1947ء سے 1957ء تک مقامی قائدین اور کشمیری قیادت صورتِ حال کا جائزہ لیتی رہی اور 1958ء میں امکان تھا کہ بنیادی حقوق کے حصول کے حوالے سے سرگرمیاں شروع ہوں گی۔ اس ضمن میں 1958ء میں گلگت بلتستان یونائیڈ آرگنائزیشن کے رہنماؤں نے پاکستانی وزیر اعظم فیروز خان نون سے ملاقات کے لیے وقت بھی لیا تھا کہ ایوب خان نے ملک میں مارشل لاء نافذ کر دیا، جس سے ایک مرتبہ پھر سیاسی سرگرمیوں میں جمود آیا اور یہ جمود تقریباً 1965ء تک قائم رہا۔ ان وجوہ کی بنا پر کشمیری قیادت نے گلگت بلتستان کی بجائے صرف آزاد کشمیر ہی کو اپنی توجہ کا مرکز بنایا۔

اسی دوران عبدالخالق انصاری کی سربراہی میں ''جموں وکشمیر محاذ رائے شماری'' نامی تنظیم قائم ہوئی، جس میں اکثریت قوم پرست کشمیری رہنماؤں کی تھی۔ تنظیم کے سیکرٹری جنرل امان اللہ خان تھے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ اس تنظیم نے اپنے قیام کے چند دن کے بعد ہی گلگت بلتستان پر اپنی توجہ مرکوز کی اور ''گلگت بلتستان میں ایجنسی نظام کیوں؟'' اور ''دستاویز غلامی'' نامی دو کتابچے شایع کیے۔ اس کشمیری تنظیم کے گلگت بلتستان میں متحرک ہونے کی بھی دو وجوہ تھیں، ایک تو امان اللہ خان کا تعلق گلگت بلتستان سے ہونا اور دوسری وجہ معروف کشمیری بزرگ پیرزادہ غلام مصطفیٰ علوی دامت برکاتہم کے مریدوں کی ایک بڑی تعداد کا خطے میں موجودگی تھی۔ پیرزادہ غلام مصطفیٰ علوی دامت برکاتہم کے اہلخانہ مقبوضہ کشمیر میں تھے اور وہ دین کی تبلیغ اور لوگوں کی اصلاح کے ساتھ ساتھ کشمیر کی آزادی کے لیے سرگرم تھے، جس کی وجہ سے ان کو

ہجرت کرنا پڑی، جبکہ بھارتی حکومت نے ان کو باغی قرار دیکر موت کا پروانہ جاری کیا۔ یہ بزرگ تقریباً 40 سال بعد 2003ء میں اپنے اہلخانہ کے پاس مقبوضہ کشمیر گئے، تاہم اس وقت ان کی عمر 70 سال کی حد عبور کرنے اور مقبوضہ کشمیر میں بااثر ہونے کے باعث بھارتی حکومت کے لیے اپنے احکام پر عمل کرنا مشکل تھا۔ ان وجوہ کی بنا پر ''جموں وکشمیر محاذ رائے شماری'' کا زیادہ اثر گلگت، استور اور دیامر میں دیکھنے میں آیا، باقی علاقوں میں اس تنظیم کو زیادہ پذیرائی نہیں ملی۔

1970ء میں آزاد کشمیر میں عام انتخابات ہوئے تو تنظیم نے مطالبہ کیا کہ گلگت بلتستان کو بھی کشمیر اسمبلی میں نمایندگی دی جائے، جس پر حکومت کی جانب سے کوئی خاص ردعمل سامنے نہیں آیا اور مجبوراً جموں وکشمیر محاذ رائے شماری کی قیادت نے مقبول بٹ کی قیادت میں گلگت بلتستان کا رخ کیا۔ قبل ازیں یہ تنظیم ''ہفتہ گلگت بلتستان'' بھی مناتے ہوئے آزاد کشمیر میں جلسہ جلوس بھی کر چکی تھی۔ 29 اکتوبر 1970ء کو جب یہ رہنما گلگت پہنچے تو ان کو گرفتار کر کے ایک جیب میں ٹھونس کر 150 میل دور ایک بیابان میں چھوڑ دیا گیا، جہاں سے 3 دن بعد یہ لوگ راولپنڈی پہنچے اور راولپنڈی میں تنظیم کے صدر عبدالخالق انصاری کو گرفتار کر کے باغیانہ تقاریر کے الزام میں مارشل لاء کے تحت ہری پور جیل میں قید کر دیا گیا، جبکہ دیگر رہنما امان اللہ خان، پیرزادہ غلام مصطفیٰ علوی دامت برکاتہم، میر عبدالمنان، جی ایم میر اور دیگر مقبول بٹ کی قیادت میں ایک ماہ بعد 27 نومبر 1970ء کو پھر گلگت پہنچے۔ یہ رہنما 29 نومبر 1970ء کو لاؤڈ اسپیکر میں فضل الرحمٰن عالمگیر کی مشہور نظم ''سوہنی وطن گلیت'' گاتے ہوئے مسلسل شہر کے چکر لگاتے رہے اور بالآخر ان رہنماؤں کو گرفتار کیا گیا۔

امان اللہ خان کے علاوہ ان کے تمام ساتھیوں کو راولپنڈی بھیج دیا گیا، جبکہ امان اللہ خان پر بغاوت کا مقدمہ درج کر کے جیل بھیج دیا گیا۔ جس کے بعد کشمیری قیادت کی جانب سے ایک مرتبہ پھر خاموشی چھائی رہی، یہاں تک کہ 29 مئی 1977ء کو جموں وکشمیر لبریشن فرنٹ کی بنیاد ڈالی گئی۔ اگرچہ یہ تنظیم بھی ابتدائی چند سالوں تک یورپ تک محدود رہی۔ دراصل اس تنظیم میں شامل اکثر لوگ وہی تھے جن کا تعلق جموں وکشمیر محاذ رائے شماری سے تھا۔ 1982ء میں آزاد کشمیر، 1987ء میں مقبوضہ کشمیر اور 1988ء میں گلگت بلتستان میں اس کی شاخیں قائم کی گئیں۔ جب سے اب تک کشمیریوں کی یہ واحد تنظیم ہے جو عملاً دونوں جانب کے کشمیر کے علاوہ گلگت بلتستان میں بھی متحرک ہے، باقی کشمیری جماعتوں نے شاید دل سے اس بات کو تسلیم کر لیا ہے کہ ان کا گلگت بلتستان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

یہاں اس بات کا ذکر بھی لازم ہے کہ جو لوگ گلگت بلتستان کے حقوق کے حوالے سے امان اللہ خان کو تنقید کا نشانہ بناتے ہیں، ان کو اس خطے کے حوالے سے امان اللہ خان کا تقریباً 60 سالہ سیاسی کردار اور جدوجہد کو بھی مدنظر رکھنا ہوگا۔ 90 کی دہائی تک امان اللہ خان گلگت بلتستان کے واحد راہنما تھے جنہوں نے عالمی سطح پر مسئلہ گلگت بلتستان کو اجاگر کیے رکھا اور جو بات امان اللہ خان 50 سال پہلے کہتے تھے آج کئی قوم پرست وہی موقف اختیار کرنے پر مجبور ہیں۔

(جاری ہے)

گلگت بلتستان کی داخلی خود مختاری اور اصل حقائق (12)

عبدالجبار ناصر

کشمیر سے تعلق رکھنے والی جہادی تنظیم حزب المجاہدین کا بھی گلگت بلتستان میں اثر رہا ہے، جو کسی حد تک آج بھی قائم ہے۔ جبکہ کچھ طلباء تنظیموں نے بھی اپنا اثر ورسوخ بڑھانے کی کوشش کی مگر ان کو کشمیر کے کسی بھی حصے میں زیادہ عوامی حمایت حاصل نہیں ہوئی۔ ان کے علاوہ خطے کی دعویدار کشمیری قیادت اور سیاسی ومذہبی جماعتوں نے گلگت بلتستان کو اپنے لیے نوگوایریا بنایا ہوا ہے۔

گلگت بلتستان اور پاکستان کے عوامی نمایندوں اور حکمرانوں کی جانب سے خطے کو نظر انداز کرنے کا ایک بڑا ثبوت پاک بھارت مذاکرات کے دوران آزاد کشمیر اور مقبوضہ کشمیر کے مختلف علاقوں کے مابین آمدورفت کے رستے کھولنا اور اس میں گلگت بلتستان کو نظر انداز کرنا بھی ہے۔ 2004ء میں پاک بھارت مذاکرات میں یہ طے ہوا تھا کہ تنازع کشمیر کے حل کے حوالے سے کشمیریوں کو آپس میں ملنے اور رابطوں کے مواقع فراہم کیے جائیں گے، جس کے لیے آمدورفت کے مختلف راستے مرحلہ وار کھولنے کا فیصلہ کیا گیا۔ 2005ء میں پہلے مرحلے میں سرینگر مظفرآباد بس سروس شروع کی گئی جس کے ذریعے ہزاروں کشمیری اب تک اپنے عزیز واقارب سے ملاقات کر چکے ہیں۔ اس سروس کا آغاز کئی دہائیوں کے بعد ہوا، جس کی وجہ سے ایک طویل عرصے بعد کشمیریوں کو آپس میں ملنے کا ایک آسان راستہ ملا۔ 8 اکتوبر 2005ء کے تباہ کن زلزلے کے بعد مزید آمدورفت کے راستے کھول دیے گئے اور اس طرح 2008ء تک مقبوضہ کشمیر اور آزاد کشمیر کے مابین 5 راستے کھول دیے گئے، جن میں سے بعض راستے معروف اور بعض غیر معروف تھے۔ دوسری جانب گلگت بلتستان کو ریاست جموں وکشمیر کا حصہ قرار دینے والوں نے مقبوضہ کشمیر اور گلگت بلتستان کے مابین آمدورفت کے راستوں کو کھولنے کے لیے سوائے زبانی جمع خرچ کے کوئی اقدام نہیں کیا۔ یہی وجہ ہے کہ گلگت بلتستان کے لیے تاحال کوئی راستہ نہیں کھولا گیا، جس کے ذریعے یہاں کے لوگ بھی اپنے عزیز واقارب سے مل سکیں۔

جس طرح آزاد کشمیر اور مقبوضہ کشمیر کے مختلف علاقوں میں ہزاروں خاندان تقسیم ہیں، اسی طرح گلگت بلتستان میں بھی ہزاروں خاندان تقسیم ہیں جن کے کچھ حصے مقبوضہ کشمیر اور کچھ حصے گلگت بلتستان میں موجود ہیں۔ آزاد کشمیر میں آمدورفت کا سلسلہ انقلاب کے بعد تقریباً ایک دہائی تک چلتا رہا، تاہم گلگت بلتستان میں یہ سلسلہ انقلاب کے دو سال بعد ہی ختم ہوا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس خطے میں رہنے والے لوگ چند گز دور ہوتے ہوئے بھی گزشتہ ساٹھ سال سے اپنے عزیز واقارب سے ملاقات نہیں کر سکتے۔ گلگت بلتستان کے وہ تاریخی راستے جو ماضی میں سیاحت اور وسطی ایشیائی ریاستوں تک سفر کے لیے انتہائی اہمیت کے حامل تھے، ان میں استور سے بذریعہ گریز، سرینگر، سرینگر سے بذریعہ

گریز سکردو، کرمن تا کرگل، چھلو تا لداخ شامل ہیں۔ یہ وہ راستے ہیں جو گلگت بلتستان اور مقبوضہ کشمیر کے درمیان ہیں، جبکہ غذر سے تا جکستان تک کا راستہ بھی بند ہے، یہاں بھی مقامی لوگوں کی آپس میں رشتہ داریاں ہیں۔

کشمیری اور پاکستانی قیادت نے جہاں گلگت بلتستان اور مقبوضہ کشمیر کے مابین موجود آمدورفت کے راستوں کو کھولنے میں عدم دلچسپی کا اظہار کیا، وہاں انہوں نے آزاد کشمیر اور مقبوضہ کشمیر کے مابین کھلے ہوئے راستوں کے ذریعے بھی گلگت بلتستان کے لوگوں کے لیے کوئی سہولت فراہم نہیں کی، جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ بالعموم پاکستانی اور بالخصوص کشمیری قیادت گلگت بلتستان کو قول کی حد تک تو ریاست جموں وکشمیر کا حصہ قرار دیتی ہے، مگر وہ عملاً اس خطے کو ریاست جموں وکشمیر کا حصہ سمجھنے کے لیے تیار نہیں اور نہ ہی گلگت بلتستان کے عوام کو دونوں خطوں کے کشمیریوں کی طرح سہولیات فراہم کرنے کے لیے تیار ہیں۔ کشمیری قیادت کے قول اور فعل کے اس تضاد سے یقیناً دونوں خطوں کے مابین دوریوں اور نفرتوں میں مزید اضافہ ہوگا، جو کشمیر کی وحدت کے لیے انتہائی خطرناک ہے۔

جب حریت کانفرنس کے رہنما مختلف مواقع پر پاکستان کے دورے پر آئے تو ان سے مطالبہ کیا گیا کہ مقبوضہ کشمیر اور آزاد کشمیر کے ساتھ ساتھ گلگت بلتستان اور مقبوضہ کشمیر کے مابین راستوں کو عام آمدورفت کے لیے کھولنے کے لیے کشمیری قیادت اپنا اثر ورسوخ استعمال کرے، جس پر کشمیری قیادت نے توجہ نہیں دی، البتہ آزاد کشمیر اور مقبوضہ کشمیر کے مابین پانچ مختلف راستوں کے کھلنے کے بعد گلگت بلتستان کے عوام نے دباؤ بڑھایا کہ مقبوضہ کشمیر اور گلگت بلتستان کے درمیان آمدورفت کے راستے کھول دیے جائیں، جس پر 2008ء میں پاک بھارت مذاکرات میں یہ طے ہوا کہ پہلے مرحلے پر کرگل سے لداخ کا راستہ آمدورفت کے لیے کھول دیا جائے گا، تاہم ممبئی واقعات کے بعد یہ منصوبہ بھی کھٹائی میں پڑ گیا۔

کرگل لداخ اور سرینگر استور وسکردو یہ وہ تاریخی راستے ہیں جن کے ذریعے گلگت بلتستان کا ریاست جموں وکشمیر سے 1948ء تک مکمل رابطہ رہا ہے، تاہم انقلاب کے بعد یہ رابطے منقطع ہو گئے۔ اب بھی اس امر کی ضرورت ہے کہ جس طرح آزاد کشمیر اور مقبوضہ کشمیر کے عوام کو آپس میں ملنے کے مواقع فراہم کیے گئے ہیں، اسی طرح گلگت بلتستان اور مقبوضہ کشمیر میں منقسم خاندانوں کے لیے باہمی رابطے کے مواقع فراہم کیے جائیں، کیونکہ گلگت بلتستان کی بین الاقوامی قانونی پوزیشن وہی ہے جو آزاد کشمیر اور مقبوضہ کشمیر کی ہے، یہ الگ بات ہے کہ پاکستان اور کشمیر کی قیادت نے اپنی الگ الگ ترجیحات مقرر کر رکھی ہیں۔ چناں چہ گلگت بلتستان کو آزاد اور مقبوضہ کشمیر کے مقابلے میں گزشتہ باسٹھ سال سے الگ تھلگ حیثیت دے کر رکھا گیا ہے، جس کی وجہ سے خطے کی محرومیوں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے، جس کا نتیجہ ریاست جموں وکشمیر کے باسیوں کے مابین شدید نفرتوں میں اضافہ کی صورت میں نکلے گا۔

(جاری ہے)

گلگت بلتستان کی داخلی خودمختاری اور اصل حقائق (13)

عبدالجبار ناصر

گلگت بلتستان اور کشمیر کے باہمی تعلقات کے حوالے سے اب تک ہونے والی بحث میں اس بات کا اظہار کیا گیا ہے کہ کشمیری قیادت نے گلگت بلتستان کے لیے کیا کیا ہے، اس کے لیے یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ گلگت بلتستان کے لوگوں نے کشمیر کی آزادی اور کشمیر سے تعلق جوڑنے کے حوالے سے کیا کچھ کیا ہے۔

23 اکتوبر 1947ء کو کشمیر کی آزادی کے حوالے سے جنگ کا آغاز ہوا اور ابتداء میں اس جنگ کا دائرہ مظفر آباد سے سرینگر تک رہا، جس میں مقامی کشمیریوں اور قبائلیوں کا کردار تھا، تاہم 1948ء کے موسم سرما کے آغاز میں گلگت بلتستان سے ٹائیگر فورس نے سرینگر کا رخ کیا اور اس آزادی مارچ کا اختتام سرینگر سے 25 میٹر دور تراگبل میں ہوا۔ ٹائیگر فورس جو صرف گلگت بلتستان کے باسیوں پر مشتمل تھی، نے جو کارنامے انجام دیے ان میں کرگل اور گریز کو ڈوگرہ اور بھارت سے آزاد کرنے کے علاوہ آزاد کشمیر کے ضلع وادی نیلم کے علاقے تاؤبٹ، سرداری، فلاوئی، جناوئی، کیل اور شاردہ تک کے علاقوں کو آزاد کرایا، جو آج آزاد کشمیر کا ایک بہت بڑا ضلع شمار ہوتا ہے۔ اس ضلع کی آزادی میں مقامی لوگوں کے علاوہ بنیادی کردار گلگت بلتستان کی ٹائیگر فورس کا ہی رہا ہے۔ علاوہ ازیں 1947ء سے تاحال کشمیر کی آزادی کے لیے جتنی بھی جنگیں ہوئیں ان میں گلگت بلتستان کے لوگوں نے ہراول دستے کا کردار ادا کیا۔ اس ضمن میں انہیں مختلف مراحل پر بڑے نقصانات بھی برداشت کرنے پڑے۔ مختلف ذرائع سے حاصل کردہ اعداد و شمار کے مطابق آزادی کشمیر کے لیے جان قربان کرنے والے گلگت بلتستان کے فرزندوں کی مجموعی تعداد 2000 ہزار سے زائد ہے۔ یہ وہ تعداد ہے جو 1989ء میں شروع ہونے والی تحریک آزادی میں جاں بحق ہونے والوں کے علاوہ ہے، جبکہ 1989ء میں شروع ہونے والی تحریک آزادی میں مختلف جہادی گروپوں جن میں حزب المجاہدین، حرکۃ الانصار، حرکۃ المجاہدین، جمعیۃ المجاہدین، لشکر طیبہ، جیش محمد سمیت دیگر کے ساتھ شامل ہو کر سینکڑوں نوجوانوں نے اپنی جانوں کے نذرانے پیش کیے، جبکہ ایک بڑی تعداد آج بھی بھارت کی قید میں ہے۔

1999ء کی کرگل جنگ بھی دراصل کشمیر کو آزاد کرنے کی ایک کوشش تھی، جس میں سب سے زیادہ قربانیاں گلگت بلتستان کے باسیوں نے دیں۔ مختلف قوم پرست جماعتوں کے دعووں کے مطابق اس جنگ میں این ایل آئی (ناردرن ایریاز لائٹ انفنٹری) کے ایک ہزار سے زائد جوان قربان ہوئے۔ قبل ازیں 1947ء سے 1965ء تک مختلف مراحل میں کشمیر کے اندر ہونے والی جدوجہد میں گلگت بلتستان کے رضاکاروں کی ایک بڑی تعداد شامل تھی اور اب بھی اس خطے کے لوگ کشمیر کی آزادی کے لیے ہر طرح کی قربانی کے لیے تیار ہیں۔

دوسری طرف سیاسی محاذ میں گلگت بلتستان کے قوم پرست رہنما امان اللہ خان، محمد اسحاق بلتستانی اور دیگر نے اپنی زندگیاں ہی کشمیر کاز کے لیے وقف کر دیں، جس کی وجہ سے انہیں سخت مسائل سے بھی دوچار ہونا پڑا، جبکہ مقامی سطح پر گلگت بلتستان میں جوہر علی خان، وزیر غلام مہدی، پیرزادہ عالم اور خطے کے دیگر سینکڑوں رہنماؤں نے کشمیر کی آزادی کے لیے سیاسی میدان میں جدوجہد کی۔ جب ہم مجموعی طور پر 1947ء سے 2009ء تک کے حالات کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ آزادی کشمیر کے لیے کشمیریوں سے زیادہ اس خطے کے لوگوں کی قربانیاں ہیں، جنہوں نے صرف کشمیر کاز کی وجہ سے 62 سال تک اپنے آپ کو بنیادی انسانی، آئینی اور جمہوری حقوق سے محروم رکھا۔ آج بھی ان کا یہ موقف ہے کہ اگر ہماری وجہ سے کشمیر کاز کو نقصان پہنچ رہا ہے تو کم از کم کشمیر طرز کے اختیارات ہمیں دے دیے جائیں۔ کشمیر سے گلگت بلتستان کے لوگوں کو کتنی محبت ہے اس کے لیے دو واقعات کا ذکر ضروری ہے۔

1994ء میں میاں نواز شریف نے بحیثیت وزیراعظم گلگت بلتستان کے ضلع استور کی عیدگاہ کا دورہ کیا اور ان کا یہ دورہ نجی تھا۔ جب لوگوں کو پتا چلا تو لوگ جمع ہوئے، اس موقع پر نواز شریف نے لوگوں سے ان کی خواہش پوچھی کہ وہ اس وقت کیا چاہتے ہیں اور یہ کہ میں ان کی کیا مدد کر سکتا ہوں؟ دلچسپ بات یہ ہے کہ اس موقع پر ایک سیاسی رہنما اور سابق رکن ناردرن ایریاز قانون ساز کونسل نے لوگوں کی مشاورت کے بعد کہا کہ ہمیں صرف کشمیر کی آزادی چاہیے، حالانکہ وہ چاہتے تو اس وقت اپنے لیے کچھ بھی مطالبہ کر سکتے تھے جس میں استور کو ضلع بنانے کا مطالبہ بھی ہو سکتا تھا۔ دوسرا واقعہ حکومت پاکستان کے حالیہ پیکیج کے اعلان کے بعد پی ٹی وی کے ایک پروگرام سے متعلق ہے، جس میں متعدد لوگوں کا یہ کہنا تھا کہ اگر اصلاحاتی پیکیج کی وجہ سے کشمیر کاز کو نقصان نہیں پہنچ رہا ہے تو ہمیں قبول ہے بصورت دیگر قبول نہیں۔ یہ وہ صورت حال ہے جس سے گلگت بلتستان کے لوگوں کی کشمیر کے لوگوں سے محبت کا اظہار ہوتا ہے۔

ہم جب تاریخ کا جائزہ لیتے ہیں تو 1947ء سے 1960ء تک گلگت بلتستان اور کشمیریوں کے مابین نفرتوں میں اتنا اضافہ نہیں ہوا تھا، بلکہ غلبہ باہمی تعلق اور محبت کا تھا۔ جب 1960ء تک کشمیریوں نے خطے کے لوگوں کو نظرانداز کیا تو محبتیں شکوؤں میں بدل گئیں اور یہ شکوے 1970ء تک بڑھتے بڑھتے شکایات کی شکل اختیار کر گئیں۔ جب ان شکایات کا ازالہ نہیں ہوا تو 1980ء کی دہائی تک ان شکایات نے نفرتوں کی شکل اختیار کر لی۔ 80ء کی دہائی میں گلگت بلتستان میں مختلف ایسی مقامی چھوٹی تنظیمیں قائم ہوئیں جنہوں نے ''غلاموں کی غلامی نامنظور'' کا نعرہ لگاتے ہوئے کشمیر سے اپنے تعلق کو ختم کرنے کا اعلان کیا اور یہیں سے گلگت بلتستان کو پاکستان کا پانچواں صوبہ بنانے کے نعرے کا آغاز ہوا اور 1990ء کی دہائی تک اس نعرے میں اتنی شدت آئی کہ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ کشمیر سے تعلق کو لوگوں کی بڑی تعداد نفرت اور قوم سے غداری کے مترادف قرار دینے لگی۔ 2000ء کے بعد جب مختلف قوم پرست تنظیموں اور رہنماؤں کے مابین باہمی رابطے ہوئے تو پھر نفرتوں میں کسی حد تک کمی آئی۔ اس کی بنیادی وجہ بھی کشمیر کے مختلف رہنماؤں کا انفرادی اور مختلف تنظیموں کا اجتماعی کردار تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جو لوگ کل کشمیر کے نام کو نفرت کی علامت سمجھتے تھے آج وہی لوگ کشمیر طرز کے نظام کی بات کرتے ہیں، اگر کشمیری قیادت آج بھی گلگت بلتستان کے لیے اپنی ماضی کی غلطیوں کا ازالہ کرے گی تو یقیناً اس خطے کے عوام آج بھی تعاون کے لیے تیار ہوں گے۔

(جاری ہے)

گلگت بلتستان کی داخلی خودمختاری اور اصل حقائق (14)

عبدالجبار ناصر

اب تک گلگت بلتستان کے پاکستان، آزاد کشمیر، مقبوضہ کشمیر، بھارت، چین اور گلگت بلتستان کے فریق ہونے کے حوالے سے بحث کی گئی ہے جس میں کئی پہلوؤں کو مدنظر رکھا گیا، تاہم اس میں گلگت بلتستان اور پاکستان کے مابین باہمی تعلق، شکوے اور شکایات اور پیار ومحبت کے حوالے سے ایک طویل بحث کی ضرورت ہے جو آئندہ کی اقساط میں ہوگی، کیونکہ اس سے قبل اس خطے کے چھٹے اور غیر محسوس، نادیدہ اور ناقابل تردید دعویدار کا ذکر لازمی ہے، اس کے بغیر اصل صورت حال کا واضح ہونا ممکن نہیں ہے۔

خطۂ گلگت بلتستان کے چھٹے دعویدار عالمی قوتیں بالخصوص امریکا ہے جن کی نظریں اس خطے پر گزشتہ 6 دہائیوں سے لگی ہوئی ہیں مگر اب تک براہ راست مداخلت کا کوئی راستہ نہیں ملا جس کی وجہ سے ان قوتوں کے لیے یہاں براہ راست مداخلت کرنا بظاہر ممکن نظر نہیں آتا حالانکہ ان 6 دہائیوں میں ان نادیدہ قوتوں نے بھارت اور دیگر غیر مسلم قوتوں کے ذریعے خطے کو مختلف مسائل کا شکار بنانے کی بڑی حد تک کوشش کی اور بعض اوقات کامیابی بھی ملی تاہم یہ کامیابی وقتی ثابت ہوئیں۔ ان کامیابیوں کو ناکامیوں میں بدلنے میں مقامی عوام کی اکثریت کا باہمی اتحاد اور یگانگت اہم کردار ثابت ہوا ہے۔ یہی وہ قوت ہے جس نے بھارت جیسے جارح، امریکا جیسے شاطر، روس جیسے طاقتور اور چین جیسے بڑے ملک کو مداخلت سے روک رکھا ہے مگر اب جوں جوں امریکا اور اس کے اتحادیوں کی مداخلت برصغیر ایشیا، بالخصوص پاکستان، بھارت، افغانستان، وسطی ایشیائی ریاستوں اور خطے کے دیگر علاقوں میں بڑھ رہی ہے اس سے گلگت بلتستان بھی متاثر ہوتا ہوا دکھائی دے رہا ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ گلگت بلتستان پر آخر ان بڑی قوتوں کی نظریں کیوں لگی ہوئی ہیں؟ اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ یہ خطہ بڑی ایٹمی قوتوں پاکستان، بھارت، چین، روس اور امریکا کے لیے ایک بفرزون کی حیثیت رکھتا ہے، اگرچہ امریکا کی سرحدیں براہ راست اس خطے سے نہیں ملتی ہیں لیکن افغانستان کے امریکا کی مقبوضہ اور مفتوحہ ریاست ہونے کی وجہ سے اب امریکا بھی ایک اہم فریق کی حیثیت سے خطے میں موجود ہے اور یہی وہ موقع ہے جس کی تلاش امریکا اور اس کے اتحادیوں کو گزشتہ 6 دہائیوں سے تھی۔ دراصل امریکا کے گلگت بلتستان جیسے معدنیات سے بھرے اور دفاعی حوالے سے اہم خطے پر کنٹرول حاصل کرنے کے کئی مقاصد ہیں جس میں سب سے اہم مقاصد میں اس خطے کے وسائل پر قابض ہونا اور چین کے خلاف محاذ آرائی کے لیے نئے محاذ کی حد بندی ہے۔

امریکا بھارت کے زیر قبضہ کشمیر کے رقبے کے حوالے سے سب سے بڑے خطے لداخ میں پہلے ہی اپنے اڈے اور

پناہ گاہیں بنا چکا ہے۔اسی طرح تاجکستان میں بھی امریکی اڈے موجود ہیں جبکہ افغانستان امریکا کی مفتوحہ اور مقبوضہ کالونی کی حیثیت رکھتا ہے۔اس کے باوجود امریکا نے افغانیوں پر کلی طور پر اعتماد کرنے کی بجائے تاجکستان اور گلگت بلتستان کے قریب واقع واخان کی پٹی کے قرب وجوار میں اپنا اڈہ قائم کیا ہوا ہے۔دوسری طرف پاکستان کے ضلع چترال میں مداخلت اور اس ضلع میں اپنے اثر کو بڑھانے کے لیے امریکا گزشتہ 10 سالوں سے کوشاں ہے۔یہی وجہ ہے کبھی اسامہ بن لادن، کبھی ملا محمد عمر، کبھی ایمن الظواہری اور کبھی دیگر افغان اور ملکی وغیر ملکی مجاہدین کی موجودگی کی خبریں امریکی اور یورپی اخبارات کی زینت بنتی ہے جبکہ امریکی طیاروں کی پروازیں بھی خطے میں وقتاً فوقتاً دیکھی جاتی ہیں ۔تاہم پاکستان میں امریکی ایجنسی بلیک واٹر (جس کا نام اب ''زی'' رکھا گیا ہے) کی سرگرمیوں کے بعد بعید نہیں ہے کہ امریکا اور اس کے حواری ان علاقوں تک غیر محسوس انداز میں اپنی مداخلت کو بڑھا دیں۔جب ہم مشرق میں لداخ سے شمال میں تاجکستان تک کی سرحدی پٹی کا جائزہ لیتے ہیں تو اس میں ہمیں صرف گلگت بلتستان کا خطہ ہی نظر آتا ہے جس میں امریکا کی براہ راست موجودگی دکھائی نہیں دیتی ہے۔چند سال قبل مختلف ذرائع ابلاغ میں اس طرح کی اطلاعات سامنے آئیں کہ امریکی حکام نے آزاد کشمیر سے چینی سرحد تک گلگت بلتستان اور مقبوضہ کشمیر کے درمیان واقع کنٹرول لائن کا دورہ کیا، دراصل اس طرح کے دوروں کا مقصد اس خطے کی اہم دفاعی پوزیشنوں پر نظر رکھنا اور مناسب موقع پر ان کے حصول کے لیے اقدام کرنا ہے۔

امریکا پاکستان اور چین کی باہمی دوستی اور تعلق کو خطے میں ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتا ہے کیونکہ ان دو بڑی قوتوں کے باہمی تعلق سے خطے میں امریکی مفادات کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔دراصل امریکا چین کی بڑھتی ہوئی اقتصادی اور دفاعی اہمیت کو سمجھتا ہے اور وہ وقت سے پہلے چین کو اپنی ہی سرحدوں پر روکنے کی کوشش کر رہا ہے، جس کے لیے اس کے پاس سب سے زیادہ مناسب خطہ چین کا صوبہ سنکیانگ ہے جس کی سرحدیں ایک طرف تاجکستان سے تو دوسری طرف بھارت اور گلگت بلتستان سے ملتی ہیں۔تاجکستان، بھارت اور افغانستان میں امریکا نے اپنے اڈے قائم کرکے کسی حد تک اپنی پوزیشن مستحکم کرلی ہے مگر گلگت بلتستان جیسے اہم خطے پر فی الحال اس کی پوزیشن نہ ہونے کے برابر ہے اور گلگت بلتستان پر اپنی پوزیشن مستحکم کیے بغیر سنکیانگ میں کسی بھی طرح کی مداخلت امریکا کے لیے سودمند ثابت نہیں ہوگی۔ سنکیانگ امریکا کے لیے اس لیے بھی انتہائی اہم اور فائدہ مند ثابت ہوسکتا ہے کہ اس مسلم اکثریتی صوبے میں چین کے بعض غلط اقدام کی وجہ سے مقامی لوگوں کے اضطراب میں اضافہ ہو رہا ہے اور اگر چین نے بروقت اس کا تدارک نہ کیا تو اضطراب اور نفرت ایک سنگین بغاوت کی شکل اختیار کرلے گی۔حالانکہ ماضی قریب اور بعید کا جب ہم جائزہ لیتے ہیں تو متعدد مرتبہ سنکیانگ میں چین کے خلاف بغاوت کی کوششیں کی گئیں جن کو چین نے ناکام بنایا لیکن چین طاقت کے زور

پر آخر کب تک یہاں کے عوام کو دبا کے رکھے گا۔ اگر آج چین اس خطے میں بیرونی مداخلت اور عالمی قوتوں کے اصل رسوخ کو بڑھنے سے روکنا چاہتا ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ مقامی لوگوں کے بنیادی مسائل کو حل اور ان کے جائز مطالبات کو پورا کرے۔ امریکا کی سنکیانگ پر اس لیے بھی نظر لگی ہوئی ہے کہ یہ چین کا واحد مسلم اکثریتی صوبہ ہے اور دنیا میں اب تک عالمی قوتوں کو جب بھی شکست ملی ہے اس کا سبب مسلمانوں کی جدوجہد بنی ہے۔ ماضی میں برطانیہ اور روس کا انجام بد اور اب خود امریکا کی مشکلات اس کا ایک واضح ثبوت ہے۔ امریکا سنکیانگ پر براہ راست مداخلت کے لیے پاکستان کے مختلف حصوں میں کنٹرول کے ساتھ ساتھ گلگت بلتستان میں کنٹرول حاصل کرنا چاہتا ہے تاکہ سمندر سے سنکیانگ تک کوئی قوت ایسی نہ ہو جو امریکا اور اس کے اتحادیوں کو روک سکے۔

کہا جاتا ہے کہ امریکا گزشتہ چالیس سال سے خطے میں واقع دنیا کے بلند ترین اور وسیع وعریض میدان ''دیوسائی'' پر فضائی اڈہ قائم کرنے کے لیے کوشاں ہے کیونکہ اس خطے پر اپنا اڈہ قائم کر کے پورے ایشیا پر دفاعی نگاہ سے نظر رکھنا ممکن ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ''دیوسائی'' دنیا کا وہ واحد علاقہ ہے جس پر قدم جما کر دنیا کی تمام بڑی قوتوں کو گرفت میں لانا اور خطے میں موجود معدنی ذخائر بالخصوص گلیشیر پر مکمل قبضہ کرنا آسان ہوگا کیونکہ آیندہ کی جنگیں پانی پر لڑی جائیں گی۔

امریکا اور اس کے اتحادی گلگت بلتستان کو ایک نیا محاذ جنگ بنانا چاہتے ہیں۔ وقت کے ساتھ ساتھ وہ آگے بڑھ رہے ہیں۔ پہلے ان کی مداخلت مشرق وسطیٰ پھر افغانستان اب پاکستان اور خطے کے دیگر ممالک میں بڑھ گئی ہے۔

(جاری ہے)

گلگت بلتستان کی داخلی خودمختاری اور اصل حقائق (15)

عبدالجبار ناصر

اس ضمن میں پاکستان کے مختلف اعلیٰ دفاعی تجزیہ کار اور سابق فوجی افسران بھی متعدد مرتبہ نشاندہی کر چکے ہیں، جن میں سابق چیف آف آرمی اسٹاف مرزا اسلم بیگ، آئی ایس آئی کے سابق سربراہ جنرل حمید گل اور دیگر شامل ہیں۔ حکومت پاکستان کے حالیہ پیکیج کو امریکی مفادات کے لیے انتہائی مفید بھی قرار دیا جا رہا ہے، تاہم اس پیکیج پر بحث کرنے سے پہلے اس کے تمام مندرجات پر غور کرنا نہایت ضروری ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ عالمی قوتیں اگرچہ اس خطے کی براہ راست دعویدار نہیں مگر وہ عملاً اس کی دعویدار بنی ہوئی ہیں۔ 1948ء اور 1949ء میں خطۂ کشمیر کے تنازع کے حوالے سے اقوام متحدہ میں منظور ہونے والی قراردادوں کو بنیاد بنا کر کسی بھی وقت امریکا اور اس کے اتحادی خطے کو ایک نئی امریکی ریاست کی شکل میں تبدیل کر سکتے ہیں۔ ممکن ہے کہ اس میں بعض مقامی اور غیر مقامی لوگوں کی حمایت بھی ان کو حاصل ہو اور بعض قوتوں کی جانب سے دعویٰ کیا جاتا ہے کہ خطے کو الگ ریاست بنانے کے دعویداروں کے پس پردہ بین الاقوامی قوتوں کا ہاتھ ہے، جن میں امریکا اور بھارت پیش پیش ہیں۔ بھارت دراصل امریکا کی سپورٹ اس لیے حاصل کرنا چاہتا ہے کہ وہ اس کے ذریعے چین کو دباؤ میں رکھ کر اپنے آپ کو بچانا چاہتا ہے جبکہ امریکا بھارت کی اس مجبوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے چین کو بحیرۂ عرب تک بالواسطہ یا بلاواسطہ رسائی سے روکنا چاہتا ہے۔

عالمی طاقتوں نے گزشتہ باسٹھ سال سے تنازع کشمیر کو لٹکائے رکھا ہے۔ جب اس تنازعے کے حل کے حوالے سے اقوام متحدہ پر دباؤ ڈالا جاتا ہے تو اقوام متحدہ کے ارکان پاک بھارت مذاکرات پر زور دیتے ہیں۔ دراصل عالمی طاقتیں تنازع کشمیر کو کسی مناسب وقت پر اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرنا چاہتے ہیں۔ پانچ ریجن پر کشمیر کی تقسیم، موجودہ سرحدوں کو برقرار رکھنے کے علاوہ تقسیمِ کشمیر کے دیگر فارمولے بھی انہی سازشوں کا حصہ ہیں تاکہ عالمی قوتیں تقسیم کشمیر کے ذریعے 15 اگست 1947ء تک قائم ریاست جموں وکشمیر کے کسی اہم خطے پر اپنی کالونی قائم کریں، جس کے ذریعے پورے خطے پر مکمل کنٹرول حاصل کیا جائے۔ بعض ذرائع کا کہنا ہے کہ امریکا ریاست جموں وکشمیر کے منقسم حصوں میں سے کسی بھی حصے میں اسرائیلی طرز کی ریاست قائم کر کے اپنا اثر و رسوخ استعمال کرنا چاہتا ہے تاکہ اس کے ذریعے پورے خطے کو اپنے قبضے میں رکھنا ممکن بنائے جس طرح اسرائیل کے ذریعے پورے مشرق وسطیٰ پر امریکا نے عملاً قبضہ کر رکھا ہے۔ اسی طرح وہ کشمیر کے کسی حصے پر اسرائیل طرز کی ایک ریاست قائم کر کے جنوبی ایشیا بالخصوص چین اور پاکستان پر کنٹرول حاصل کرنے کے لیے اقدام کرنا چاہتا ہے۔

بعض اطلاعات کے مطابق اس وقت بھی بھارت کے زیر قبضہ خطۂ کشمیر کے مختلف حصوں بالخصوص جموں اور لداخ

میں امریکی پرائیویٹ سیکورٹی ایجنسی بلیک واٹر، امریکی سی آئی اے، ایف بی آئی اور اسرائیلی خفیہ ایجنسی موساد کے اہلکار موجود ہیں، جن کا مقصد چین اور پاکستان پر نظر رکھتے ہوئے پاکستان کے ایٹمی اثاثوں کو کسی نہ کسی طریقے سے ختم کرنا ہے تاکہ پہلی مسلمان ایٹمی قوت کا (خاکم بدہن) خاتمہ کیا جا سکے۔ اسرائیلی اور امریکی اداروں نے بھارت کو مقبوضہ فلسطین کے طرز پر کشمیر کے مختلف حصوں میں ہندو آبادیاں بسانے کے مشورے بھی دیے ہیں، تاہم اس میں سب سے بڑی رکاوٹ مہاراجہ گلاب سنگھ کے دور میں ریاست جموں و کشمیر کے لیے بنایا ہوا وہ قانون ہے جس کے تحت ریاست سے باہر کے کسی بھی شخص کو ریاست کے کسی بھی حصے میں زمین خریدنے کا کوئی حق نہیں ہے اور بھارت نے 1952ء اور 1973ء کے اپنے آئین کے آرٹیکل 370 کے تحت ریاست جموں و کشمیر کو خصوصی حیثیت دیتے ہوئے مہاراجہ کے اس اقدام کو تحفظ فراہم کیا ہے، اب دیکھنا یہ ہے کہ عالمی طاقتوں کی نظر میں ریاست جموں و کشمیر کے وہ کون سے حصے ہیں، جن پر ان کی نظر انتخاب پڑ سکتی ہے، تاہم اس کے لیے مختلف فارمولے سامنے آئے ہیں، جو مندرجہ ذیل ہیں:

1۔ افغانستان کے درہ واخان، پاکستان کے صوبہ سرحد کے علاقہ ضلع چترال اور گلگت بلتستان کے دو اضلاع کو ملا کر ایک ریاست قائم کی جائے، جس کا بظاہر کنٹرول مقامی لوگوں کے پاس ہو مگر عملاً عالمی قوتیں قابض ہوں۔

2۔ گلگت بلتستان کے تمام اضلاع پر مشتمل ایک ریاست قائم کر کے اس کا قبضہ عالمی قوتیں حاصل کر لیں اور اس ریاست میں داخلی خود مختاری کی حد تک اختیارات مقامی لوگوں کے ہوں، عملاً قبضہ عالمی قوتوں کا ہی ہوگا۔

3۔ مقبوضہ کشمیر کی وادی پر مشتمل ریاست قائم کی جائے، جس کے ذریعے بھارت، کشمیریوں اور پاکستان کو بھی خوش رکھا جائے، اس ریاست پر بھی عملاً قبضہ عالمی قوتوں کا ہوگا۔

4۔ چناب فارمولے کو استعمال کر کے کشمیر کا ہندو اکثریتی علاقہ بھارت اور مسلم اکثریتی علاقہ پاکستان کے حوالے کیا جائے، البتہ ان دونوں میں سے بعض علاقوں کو ملا کر ایک ریاست قائم کی جائے۔

5۔ نیلم فارمولے کے تحت کشمیر کو تقسیم کر کے پاکستان اور بھارت دونوں پر دباؤ ڈال کر عالمی قوتیں اپنا وجود خطے میں برقرار رکھیں۔

6۔ ریاست جموں و کشمیر کی تقسیم مذہبی اور مسلکی بنیادوں پر کی جائے تاکہ اس کے ذریعے خطے پر کنٹرول آسان ہو۔

7۔ خطے میں آزاد ریاستوں کے قیام کے لیے سرگرم چھوٹی بڑی تمام تنظیموں کی پشت پناہی کرتے ہوئے ریاست جموں و کشمیر کو پانچ بنیادی حصوں میں تقسیم کیا جائے، جس طرح عرب ممالک کو مختلف چھوٹے چھوٹے ممالک میں تقسیم کر کے غلام بنایا گیا ہے، اسی طرح کشمیریوں کو بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے غلام بنایا جائے۔ اس کے علاوہ تقریباً 56 کے

قریب فارمولے سامنے آئے، تاہم ان میں سے اکثریت مسلمانوں بالخصوص پاکستان کے لیے کسی صورت قابل قبول نہیں ہے، کیونکہ ان تمام فارمولوں میں بھارت کے موقف کو ترجیح دیتے ہوئے پاکستان کے پانی پر عملاً بھارت کو کنٹرول دیا گیا ہے۔

ان فارمولوں پر صرف اس صورت میں عمل ممکن ہے کہ مقامی لوگ آمادگی ظاہر کریں جو گزشتہ ڈیڑھ صدی سے محکوم، محروم، مظلوم اور غلام چلے آرہے ہیں۔ تاہم اب صورت حال مایوس کن ہوگئی ہے جس کی وجہ سے یہ خطرہ بڑھ گیا ہے کہ عالمی طاقتیں ریاست جموں وکشمیر کے لوگوں کی اس مایوسی کو ہتھیار کے طور پر استعمال کرتے ہوئے خطے پر اپنے مقصد کے مطابق ایک کالونی قائم کرنے میں کامیاب ہوجائیں۔ اب اس کی ذمہ داری خطے کے عوام اور بالخصوص پاکستان کے باشعور طبقے پر عائد ہوتی ہے کہ وہ بین الاقوامی سازشوں کو ناکام بنانے کے لیے ہر ممکن اقدام کریں۔

(جاری ہے)

گلگت بلتستان کی داخلی خود مختاری اور اصل حقائق (16)

عبدالجبار ناصر

گلگت بلتستان کے حوالے سے ہونے والی اب تک کی بحث میں خطے کی تاریخی، جغرافیائی، مذہبی، لسانی، انتظامی اور قانونی پوزیشن کے علاوہ تمام چھ دعویداروں کشمیری قیادت، پاکستان، بھارت، چین، مقامی عوام اور عالمی سامراج کی دلیلیں پیش کی اب ہم اس بحث کو موجودہ پیکیج کے حوالے سے ہونے والی تبدیلیوں کے تناظر میں پیش کریں گے اس کے لیے ضروری ہے کہ گلگت بلتستان کے انقلاب کے بعد کے مختلف ادوار کا الگ الگ جائزہ لیا جائے یکم نومبر 1947ء سے اب تک گلگت بلتستان کو انتظامی طور پر چھ مختلف ادوار میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

پہلا دور یکم نومبر 1947ء سے 16 نومبر 1947ء تک کا ہے جس میں ایک آزاد اسلامی جمہوریہ ہے گلگت کے قیام سے اس کے خاتمے تک کا ہے ان سولہ دنوں میں اگرچہ اسلامی جمہوریہ گلگت کے حکام اور انقلابی کونسل انتظامی حوالے سے کوئی نمایاں تبدیلی تو نہیں لاسکی تاہم خطے کی آزادی کو برقرار رکھنے اور مزید خطوں کو آزاد کرنے کے حوالے سے جو اقدام کیے وہ قابل تحسین ہے۔16 نومبر 1947ء کو حکومت پاکستان کے نمائندے سردار عالم خان کی بحیثیت پولیٹیکل ایجنٹ آمد کے بعد اسلامی جمہوریہ گلگت ماضی کا حصہ بن گئی اور اس کے قائدین نے اخلاص کے ایک مرتبہ پھر خطے کے مزید علاقوں کو بھارت اور مہاراجہ کے چنگل سے آزاد کرنے کے لیے کوششیں شروع کردیں۔

گلگت بلتستان کا انتظامی دور 16 نومبر 1947ء سے 27 اپریل 1949ء تک کا ہے اس دوران خطے کے حاکم وقت اور پولیٹیکل ایجنٹ سردار عالم خان نے اپنی آمد کے بعد خطے میں ایک مرتبہ پھر انگریز کے کالے قانون ''ایف سی آر'' کا نفاذ کیا اور ریاستوں کو تقریباً بحال کیا جس کے بعد انہوں نے انتظامی تبدیلیاں کیں سردار عالم خان نے اپنی تعیناتی کے بعد اسلامی جمہوریہ گلگت کے حکام کو عملاً حکومت سے بے دخل کیا جس کی وجہ بعض رہنما مایوسی کا شکار بھی ہوئے تاہم بیشتر رہنماؤں نے خطے کے دیگر علاقے آزاد کرنے میں اپنی جدوجہد جاری رکھی اور یہ کوشش 1948ء کے موسم سرما تک جاری رہی اس دوران گلگت بلتستان کے آزادی کے مجاہدین نے چترال کے لوگوں کے تعاون سے ایک طرف مقبوضہ کشمیر کے دارالحکومت سری نگر سے 25 کلومیٹر دور تراگبل، دوسری طرف آزاد کشمیر کی وادی نیلم کے علاقے تاؤبٹ، فلاوئی، جناوئی، کیل اور شاردہ، تیسری طرف کرگل اور چوتھی طرف لداخ کی تحصیل لہہ سے 11 کلو میٹر دور تک کے علاقے سے ڈوگرہ اور بھارتی قبضے سے آزاد کرایا۔

دوسری جانب خطے کے انتظامی سربراہ حکومت پاکستان کے نمائندے پولیٹیکل ایجنٹ سردار عالم خان اپنی انتظامی پوزیشن کو مضبوط کرنے میں مصروف رہے اس دوران انہوں نے آزادی میں اصل کردار کرنے والی فوجیوں کی تنظیم گلگت اسکاؤٹ کو تقریباً نظر انداز کیا تاہم گلگت شہر کے نظم و نسق سنبھالنے اور دیگر انتظامی امور کو سنبھالنے کے لیے وزیر

غلام عباس کی قیادت میں نیشنل گارڈ کا قیام عمل لایا۔ سردار عالم خان نے اپنی پوزیشن مزید مستحکم کرنے کے لیے دیگر اقدام بھی کیے اس دوران انہوں نے بعض نوجوانوں کو اپنا مخالف تصور کر کے ان کو دبانے کی بھی کوشش کی جن میں ''گرین کوٹ بوائز موومنٹ'' بھی شامل تھے حالاں کہ ان نوجوانوں کا مقصد کوئی بغاوت نہیں بلکہ خطے کا استحکام کے لیے کام کرنا تھا یہ کسی تنظیم کے لیے کام نہیں کر رہے تھے یہ چند نوجوان تھے جو سبز کوٹ پہن کر چوراہوں میں کھڑے ہو جاتے اس سبز کوٹ کا مقصد پاکستان سے اظہار محبت بتایا جاتا ہے اور اسی مناسبت سے اس موومنٹ کا نام ہی گرین کوٹ بوائز موومنٹ پڑ گیا جس کا عملاً کوئی وجود نہیں تھا۔

16 نومبر 1947ء، 27 اپریل 1949ء کے ادوار میں خطے میں چند ناخوش گوار واقعات پیش آئے جن میں 27 اور 28 نومبر 1947ء کی درمیانی شب گلگت بازار میں لوٹ مار کے واقعات اور مبینہ طور پر ہندو اور سکھوں زبردستی مسلمان بنانے جیسے واقعات کے علاوہ بھارتی فضائیہ کا متعدد بار خطے پر حملہ اور 14 فروری 1948ء کو گلگت شہر میں ایک پاکستانی طیارے کی تباہی بھی شامل ہے تاہم اس میں سب سے زیادہ ناخوش گوار واقعہ اسلامی جمہوریہ گلگت کے صدر شاہ رئیس خان اور فوجی سربراہ کرنل حسن خان اور دیگر انقلابیوں کے ساتھ ناروا سلوک ہے۔ شاہ رئیس خان کو صدارت سے ہٹا کر انہیں کلی طور پر نظر انداز کیا گیا جس کی وجہ سے وہ مایوس ہوئے اور گوشہ نشینی اختیار کی جبکہ 1949ء میں کرنل حسن خان کو ایک مرتبہ پھر پاکستان آرمی میں جونیئر کمیشن آفیسر کی حیثیت سے درخواست دینے کی ہدایت کی گئی حالاں کہ وہ برطانوی فوج میں کمیشن آفیسر کے حیثیت سے کام کرتے ہوئے کرنل کے عہدے تک پہنچے تھے۔ تاہم کرنل حسن خان نے اس شرط کو پورا کیا جبکہ صورت حال کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے سردار عالم خان نے شاہ رئیس خان کو محکمہ سول سپلائی کا ڈائریکٹر بنایا اس عہدے پر شاہ رئیس خان نے کوئی زیادہ دل چسپی نہیں لی تاہم کچھ عرصہ تک وہ اس عہدے پر کام کرتے رہے۔

16 نومبر 1947ء سے 27 اپریل 1949ء تک گلگت بلتستان کا خطہ عملاً صوبہ سرحد کے گورنر کے ماتحت رہا ہے اور پولیٹیکل ایجنٹ بھی صوبہ سرحد کے گورنر کا نامزد کردہ نمایندہ تھا۔ گلگت بلتستان کے پہلے پولیٹیکل ایجنٹ سردار محمد عالم خان صوبہ سرحد کے سرکاری ملازم تھے جنہیں سرحد کے گورنر اور وزیر علیٰ نے پاکستان کے نمایندے کے طور پر گلگت بھیجا اس میں یہ دعویٰ بھی کیا جاتا ہے کہ ان کی نامزدگی میں محمد علی جناح اور وزیر اعظم لیاقت علی خان کی حمایت بھی شامل تھی۔ سردار عالم خان نے گلگت آمد کے بعد اصل انقلابیوں سے معلومات لینے اور معاملات طے کرنے کی بجائے انگریز فوجی سربراہ میجر براؤن اور کیپٹن میتھی سن کی رائے کو مد نظر رکھتے ہوئے انہیں کو آزادی کے اصل کردار قرار دیا حالانکہ آزادی میں اصل کردار گلگت اسکاؤٹس کے مسلمان افسران اور فوجیوں کا تھا اگرچہ میجر براؤن نے انقلابیوں کا ساتھ دیا یہ اس کی مجبوری تھی کیوں کہ اگر وہ ایسا نہ کرتا تو اس کا انجام بھی مہاراجہ کے نامزد گورنر گھنسارا سنگھ کے ساتھ کی طرح ہوتا۔

16 نومبر 1947ء سے 27 اپریل 1949ء تک کا دور پاکستان کے حوالے سے خطے میں انتہائی خوش گوار رہا کیوں کہ خطے کے عوام پاکستان کے حوالے انتہائی جذباتی اور خوش فہمیوں میں مبتلا تھے۔ مختلف افراد کا کہنا ہے کہ خطے کے لوگوں نے بانی پاکستان محمد علی جناح کے نام مدد کے لیے پیغام بھی بھیجا تھا اور قائداعظم کا ایک مبینہ پیغام بھی بعض کتابوں میں موجود ہے جس کا متن مندرجہ ذیل ہے "ہماری ہمدردیاں آپ کے ساتھ ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اجر دے گا۔ اپنی آپ کرو۔ میں خود پریشان ہوں۔ 14 لاکھ مسلمان مارے گئے ہیں۔ ہم آپ کی مدد نہیں کر سکتے۔" بانی پاکستان کے اس مبینہ پیغام کو ہفت روزہ بے باک نے شائع بھی کیا ہے۔ بانی پاکستان محمد علی جناح خطے کی دفاعی، جغرافیائی اور دیگر حوالوں سے اہمیت سے آگاہ تھے لیکن قیام پاکستان کے بعد پاکستان جن مشکلات کا شکار تھا اس کی وجہ سے وہ خطے میں توجہ نہیں دے سکے یوں آزادی کے نو مہینے چار دن بعد قائداعظم محمد علی جناح کا انتقال ہوا۔ تاہم 28 اپریل 1949ء کو معاہدہ کراچی کے بعد یہ خطہ صوبہ سرحد کے گورنر سے وزارت امور کشمیر کی طرف منتقل ہوا۔

(جاری ہے)

گلگت بلتستان کی داخلی خودمختاری اور اصل حقائق (17)

عبدالجبار ناصر

گلگت بلتستان کے دوسرے انتظامی دور (یکم نومبر 1947ء تا 27 اپریل 1949ء) تک جہاں خطے میں مختلف انتظامی تبدیلیاں کی گئیں، وہیں کئی ایسے واقعات ہیں جن کا ذکر تاریخ میں انتہائی تلخ الفاظ میں کیا گیا ہے۔ خطے کے عوام کو امید تھی کہ پاکستانی نمائندے کی آمد کے بعد شاید انہیں کلی طور پر آزادی کا سانس لینا پڑے۔ یہی وجہ ہے کہ خطے کے عوام نے یکم نومبر 1947ء سے یکم جنوری 1949ء تک جدوجہد آزادی کو جاری رکھا۔ اس دوران مقامی لوگوں نے بڑی قربانیاں دیں اور مجموعی طور پر تقریباً چالیس ہزار مربع میل علاقہ ڈوگرہ اور بھارتی تسلط سے آزاد کرایا۔ سردار عالم خان کی آمد کے بعد خطے کے عوام کا یہ خواب پورا نہیں ہوا بلکہ دیگر کئی مسائل نے جنم لیا، جس میں انقلابیوں کے خلاف سردار عالم خان اور دیگر حکام کی سازشوں کے علاوہ خطے کو فرقہ وارانہ منافرت کی نذر کرنا بھی شامل ہے۔

خطے میں گزشتہ 60 سال کے دوران فرقہ وارانہ منافرت نے لوگوں کا جینا دوبھر کر دیا ہے۔ اس دوران سینکڑوں لوگ اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے اور عوام کو اربوں روپے کا مالی نقصان برداشت کرنا پڑا۔ آج گلگت بلتستان کے دارالحکومت گلگت کی حالت یہ ہے کہ یہاں رہنے والے بہت کم ہی لوگ اپنے آپ کو محفوظ تصور کرتے ہیں اور خطے کی بدقسمتی یہ ہے کہ اس کے دارالحکومت میں رہنے والے باشندوں کی اکثریت مذہبی بنیادوں پر تقسیم کیے گئے علاقوں کا انتخاب کر کے رہائش اختیار کرتی ہے اور ایک دوسرے کے علاقے میں اپنے آپ کو غیر محفوظ تصور کیا جاتا ہے۔ 1947ء سے 2009ء تک ہونے والے درجنوں چھوٹے واقعات ہوں یا 1988ء اور 2005ء کے تباہ کن واقعات ان سب کے پیچھے دراصل بعض نادیدہ قوتیں ہیں، جو اس خطے کی ترقی نہیں چاہتیں اور دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ قوتیں خطے کے عوام کو اندرونی مسائل میں الجھا کر اپنے مذموم مقاصد پورا کرنا چاہتی ہیں، انہیں یہ معلوم ہے کہ اگر خطے کے عوام میں اتحاد ہوا تو جس طرح 1947ء میں انہوں نے ڈوگرہ راج کو شکست فاش دی تھی، اسی طرح وہ اسلام، ملک اور عوام دشمن عناصر کو بھی شکست فاش دے سکتے ہیں۔

گلگت بلتستان میں مذہبی منافرت کا آغاز دراصل یکم نومبر 1947ء کو ہی ہوا تھا اور 16 نومبر 1947ء کے بعد اس میں شدت آگئی، جو آج تک برقرار ہے۔ یکم نومبر 1947ء کو انقلاب کے نتیجے میں قائم ہونے والی اسلامی جمہوریہ گلگت کی انتظامیہ میں اگرچہ مختلف مکاتب فکر کے لوگ شامل تھے، تاہم اہم عہدوں پر دو مکاتب فکر کے لوگ تھے، جس کی وجہ سے دوسرے بڑے اہم مکتبہ فکر کو شدید خدشات اور تحفظات تھے اور یہی وجہ ہے کہ اہم انقلابی لیڈر اور اسلامی جمہوریہ گلگت کے فوجی سربراہ کرنل حسن خان پر خطے کو شیعہ اسٹیٹ بنانے اور گلگت کے علاقے نگرل میں اہل سنت کے

خلاف سازشوں کی منصوبہ بندی جیسے الزامات بھی لگائے گئے اور مختلف مصنفین کے مطابق اس دور میں بھی نگرل اور کشروٹ کے لوگ اپنے آپ کو ایک دوسرے سے غیر محفوظ تصور کرتے تھے اور ایک دوسرے کے علاقے میں جانے سے گریز کرتے تھے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ 62 سال بعد بھی نگرل اور کشروٹ کی تقریباً یہی پوزیشن ہے، البتہ اس میں تبدیلی یہ آئی ہے کہ مذہبی منافرت کے حوالے سے بدنام علاقوں کی تعداد میں وقتاً فوقتاً اضافہ ہوا، جو تا حال جاری ہے۔ کرنل حسن خان نے اپنی کتاب ''شمشیر سے زنجیر تک'' میں مذہبی منافرت پھیلانے کے الزام کی سختی سے تردید کی ہے اور اس کو عوام دشمن عناصر کی سازش قرار دیا ہے۔ اس تردید کے باوجود بھی کرنل حسن خان اور ان کے بعض دیگر ساتھیوں پر سے مذہبی منافرت پھیلانے کا الزام کلی طور پر آج تک ختم نہیں ہو سکا۔

مذہبی منافرت کے حوالے سے اسلامی جمہوریہ گلگت کے حکام اور انقلابی کونسل میں شامل رہنماؤں پر لگائے گئے الزامات میں کتنی حقیقت ہے اور یہ کتنا فسانہ ہے؟ اس کے بارے میں الگ سے تحقیق کی ضرورت ہے، یہ ہمارا موضوع نہیں۔ یہاں پر اس کا ذکر انقلابی لیڈر کرنل حسن خان کے خلاف 1947ء سے ہونے والے حکومتی اقدام کے تاریخی حوالے کی وجہ سے آیا اور یہ کہ خطے کی محرومی کی بنیادی وجہ مذہبی منافرت ہی رہی ہے اور اس کا ذمہ دار کون ہے؟ اس کا فیصلہ عوام خود کریں۔

گلگت بلتستان کے دوسرے انتظامی دور میں اہم انقلابی رہنما اور آزاد فوج کے سربراہ کرنل حسن خان سرینگر کے قریب محاذ جنگ پر سرگرم تھے کہ انہیں اچانک محاذ سے واپس بلایا گیا، جس کی مختلف وجوہ بیان کی جاتی ہیں، جس کی وجہ سے انقلابیوں میں احساس محرومی پیدا ہوا۔ بعض مصنفین کا کہنا ہے کہ کرنل حسن خان کے ساتھ یہ رویہ پاکستانی نمائندے سردار عالم خان نے میجر براؤن کے ایماء پر اختیار کیا، تاہم کرنل حسن خان 1947ء سے 19 نومبر 1983ء میں اپنی وفات تک مختلف نشیب و فراز سے گزرتے رہے۔

سردار عالم خان جب گلگت آئے تو وہ بے پناہ اختیارات کے مالک تھے۔ ان کے پاس انتظامی، عدالتی تقریباً ہر طرح کا وہ اختیار تھا جس کے ذریعے وہ خطے پر مطلق العنان حیثیت سے حکمرانی کر سکتے تھے اور انہوں نے کی بھی۔

16 نومبر 1947ء کے بعد 14 اگست 1948ء کو بلتستان کے دارالحکومت سکردو کے اہم قلعے پر آزادی کا علم لہرایا گیا اور اسی طرح آزادی کی یہ جنگ مزید علاقوں تک جاری رہی، اس وقت بانی پاکستان محمد علی جناح حیات تھے، تاہم مشکلات اور بیرونی دباؤ کی وجہ سے وہ بذات خود خطے میں دلچسپی نہیں لے سکے، البتہ ان کے مبینہ نامزد کردہ پولیٹیکل ایجنٹ نے خطے کے عوام کے ساتھ مہاراجہ جیسا سلوک کیا۔

(جاری ہے)

گلگت بلتستان کی داخلی خودمختاری اور اصل حقائق (18)

عبدالجبار ناصر

1971ء تک 24 سالوں میں خطے کے عوام کے لیے ایک بڑا مسئلہ بیگار تھا۔ جس کے ذریعے فوجی اور سول حکام جب چاہیں سرحدی علاقوں کے رہنے والے لوگوں کو بھیڑ بکریوں کی طرح بیگار کے لیے استعمال کرتے تھے۔ اس دوران سینکڑوں لوگ اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے، جبکہ ایک بڑی تعداد معذور ہوئی۔ لوگوں سے بغیر کسی معاوضے کے بیگار لی تھی جس کی وجہ سے عوام میں شدید مایوسی اور پاکستانی حکام کے خلاف آئے روز منافرت میں اضافہ ہوا، جس نے 1971ء تک انتہائی شدت اختیار کی اور بعض اوقات ایک فوجی کا 20 کلو سامان اٹھانے کے لیے پانچ پانچ مقامی لوگوں سے بیگار لی جاتی تھی۔

1970ء میں اسی طرح کے ایک واقعے میں راقم کے والد جمعہ ناصر ولد عبدالرحیم ناصر تقریباً 6 ماہ تک کربل کے مقام پر محاذ جنگ پر اس زبردستی کی خدمت میں مصروف رہے اور متعدد مرتبہ بھارتی گولہ باری سے بال بال بچے، جبکہ ان کے ایک ساتھی منور جن کا تعلق علاقہ قمری کے گاؤں زیان سے تھا، بھارتی گولہ باری کی زد میں آکر شہید ہوئے۔ بقول والد صاحب کے ہم دونوں ایک ساتھ فوجی سامان لے کر کربل کی آخری پوسٹ کی طرف جا رہے تھے کہ اچانک ایک گولہ آکر گرا اور دیکھتے ہی دیکھتے میرا ساتھی شہید ہوا اور میں برف میں دب کر رہ گیا۔ ان کا کہنا ہے کہ اس دوران کئی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا تھا، ایک طرف بھارتی گولہ باری سے اپنے آپ کو بچانا، دوسری طرف طوفانی برف باری سے اپنے آپ کو بچاتے ہوئے بحفاظت سامان آخری پوسٹوں تک پہنچانا کسی امتحان سے کم نہیں تھا۔ راقم کی والدہ کے مطابق یہ واقعہ 1970ء کا تھا، اس دوران والد صاحب کے عزیز و اقارب ان کی واپسی کے بارے میں مایوس ہو چکے تھے، بعدازاں وہ بعافیت گھر پہنچے۔ اسی طرح کے ہزاروں واقعات ہیں، جن میں سے بیشتر کا ذکر کسی کتاب میں نہیں ملے گا، تاہم لوگوں کے ذہنوں میں آج بھی یہ واقعات تازہ ہیں۔

قائداعظم محمد علی جناح گلگت بلتستان پر حکومت پاکستان کے قبضے کے صرف 9 ماہ 14 دن بعد 10 اکتوبر 1948ء کو انتقال کر گئے۔ اس وقت لیاقت علی خان وزیراعظم کی حیثیت سے موجود تھے، جنہوں نے ستمبر 1947ء میں گلگت کا دورہ بھی کیا۔ یہ پاکستان کے کسی حکمران کا پہلا سرکاری دورہ تھا۔ لیاقت علی خان کے دورے کے بعد خطے میں کچھ تبدیلیاں ضرور لائی گئیں، تاہم ایف سی آر کا کالا قانون جوں کا توں رہا، جس نے پولیٹکل ایجنٹ کو بے پناہ اختیار کا مالک بناتے ہوئے عدلیہ اور انتظامیہ کا سربراہ بنا دیا تھا۔ اس کالے قانون کے ذریعے پولیٹکل ایجنٹ اور ان کے متعین کردہ حکام جب، جس کو، جہاں چاہتے سزا دیتے، کوئی پوچھنے والا نہیں تھا۔ یکم جنوری 1949ء کو جب اقوام متحدہ کی

قراردادوں کے مطابق پاکستان اور بھارت کے مابین جنگ بندی ہوئی، اس وقت پولیٹیکل ایجنٹ کے زیرانتظام علاقوں میں گلگت بلتستان، استور ریاست ہائے ہنزہ نگر، پولیٹیکل علاقہ جات پنیال، یاسین، اشکومن، گوپس، چلاس، داریل اور تانگیر کے علاقے شامل تھے۔اگرچہ داریل اور تانگیر کے علاقے 1951ء میں باضابطہ طور پر شامل ہوئے، تاہم پولیٹکل ایجنٹ کا ان آزاد علاقوں پر بھی کنٹرول تھا۔

14 اگست 1948ء کو بلتستان کی آزادی کے بعد بلتستان کو سب ایجنسی کا درجہ دے کر گلگت میں شامل کیا گیا اور بلتستان میں ایک پولیٹیکل ایجنٹ کا تقرر سامنے آیا، بعدازاں نومبر 1949ء میں بلتستان سب ایجنسی کو مزید مستحکم کر کے یہاں اسسٹنٹ پولیٹیکل ایجنٹ کی بجائے ایڈیشنل پولیٹیکل ایجنٹ کا تقرر کیا گیا اور اس سب ایجنسی میں بلتستان کے علاقے لداخ، سکردو، کھرمنگ، شگر، کرگل کے 34 گاؤں اور گریز کی سب تحصیل کے علاقے شامل تھے۔قبل ازیں 28 اپریل 1949ء کو حکومت پاکستان، حکومت آزاد کشمیر اور کشمیری سیاسی جماعت جموں وکشمیر مسلم کانفرنس کے مابین معاہدۂ کراچی ہوا، جس کے تحت کشمیری قیادت اور حکومت نے گلگت بلتستان کو انتظامی نگرانی کے لیے پاکستان کے سپرد کیا اور پاکستان کے پاس گلگت بلتستان پر حکمرانی کرنے کی سب سے بڑی اور اہم دستاویز یہی معاہدہ ہے۔

معاہدہ کراچی کے بعد اگرچہ گلگت بلتستان کا علاقہ گورنر صوبہ سرحد سے نکل کر وزارت امور کشمیر کے ماتحت چلا گیا تھا، تاہم 1950ء تک یہاں گورنر سرحد کا عمل دخل رہا۔1950ء میں صوبہ سرحد کے گورنر کی سفارش پر گلگت بلتستان کا کنٹرول کلی طور پر وزارت امور کشمیر کے سپرد کر دیا گیا اور وزارت میں پولیٹیکل ریزیڈنٹ کی ایک نئی اسامی پیدا کی گئی، جس کا مجاز حکومت آزاد کشمیر کے لیے چیف ایڈوائزر کے طور پر کام کرتا تھا، جبکہ گلگت بلتستان کے لیے اس کا نام پولیٹکل ریزیڈنٹ رکھا گیا، جس کے پاس 4 قسم کے اختیارات تھے۔پولیٹکل ریزیڈنٹ انتظامیہ کا سربراہ اور ایف سی آر کے تحت کمشنر، ریونیو کمشنر اور ہائی کورٹ کے جج کی حیثیت رکھتا تھا، یعنی اسے عملاً خطے کا مطلق العنان بادشاہ بنا دیا گیا تھا، جس کے پاس ہر طرح کے اختیارات موجود تھے اور پولیٹکل ریزیڈنٹ کے نامزدہ کردہ پولیٹکل ایجنٹ اکثر اوقات لوگوں کے ساتھ ناروا سلوک کرتے تھے، جس کی وجہ سے لوگوں میں پاکستان کے خلاف آئے روز تحفظات میں اضافہ ہوا۔ابتداء میں یہ معاملہ شکوے شکایات تک محدود رہا، بعدازاں یہ سلسلہ نفرت کا روپ دھارنے لگا۔یہی وجہ ہے کہ 1970ء کے بعد خطے میں مختلف قوم پرست تنظیمیں قائم ہوئیں۔ابتداء میں ان تنظیموں کو مقامی لوگ پسند نہیں کرتے تھے، مگر جوں جوں وقت گزرتا گیا، ان تنظیموں کی تعداد میں اضافے کے ساتھ ساتھ ان کے حامیوں کی تعداد میں بھی مسلسل اضافہ ہوا اور آج صورت حال یہ ہے کہ خطے کے مختلف علاقوں میں ان قوم پرست تنظیموں کی گرفت کافی حد تک مضبوط ہے بلکہ بعض علاقوں میں یہ تنظیمیں جب چاہیں حکومتی عملداری کو چیلنج کر سکتی ہیں۔ان سے پائی جانے والی

ہمدردیوں کی بنیادی وجہ اب تک خطے کے ساتھ ہونے والی پاکستانی حکمرانوں کی زیادتیاں ہیں۔

70ء کی دہائی تک خطے کے لوگوں کی اکثریت پاکستان کے حوالے سے کوئی شکایت سننے کے لیے تیار نہیں ہوتی تھی اور آج یہ صورت حال ہے کہ لوگوں کی بڑی تعداد نہ صرف کھلے عام شکایات کر رہی ہے، بلکہ بعض اوقات پاکستان مخالف سرگرمیاں بھی کی جاتی ہیں۔ پاکستانی حکمرانوں کے لیے یہ لمحہ فکریہ ہے کہ وہ خطے کے عوام کے مسائل حل کر کے ان کی مایوسیوں کا خاتمہ کر دیں۔ اس ضمن میں حالیہ اصلاحاتی پیکیج کو بھی اہمیت دی جاتی ہے، تاہم اس پیکیج میں کیا ہے اور کس حد تک اس کے ذریعے خطے کے عوام کو داخلی خودمختاری دی گئی ہے، آئندہ قسطوں میں آپ ملاحظہ کریں گے۔

(جاری ہے)

گلگت بلتستان کی داخلی خودمختاری اور اصل حقائق (19)

عبدالجبار ناصر

گلگت بلتستان کے تیسرے انتظامی دور کا آغاز اگرچہ 28 اپریل 1949ء کو معاہدۂ کراچی اور 1950ء میں صوبہ سرحد کے گورنر کی جانب سے گلگت بلتستان کا انتظام وانصرام وزارت امور کشمیر کے سپرد کرنے کے بعد شروع ہوتا ہے اور یہ 20 ستمبر 1971ء تک جاری رہتا ہے۔اس دوران خطے میں کئی اہم تبدیلیاں رونما ہوئیں۔1951ء میں داریل اور تانگیر نے گلگت ایجنسی کے ساتھ مشروط الحاق کیا،جس میں مقامی رسم ورواج پر مداخلت نہ کرنے،اسلحہ مقامی لوگوں سے واپس نہ لینے اور جنگلات پر مقامی عوام کے کنٹرول سمیت دیگر شرائط شامل تھیں۔1951ء سے 1955ء تک پاکستان میں گورنر جنرل آف پاکستان ملک غلام محمد کی حکومت تھی۔ملک غلام محمد نے 1952ء میں گلگت بلتستان کا دورہ کیا اور یہ کسی پاکستانی حکمران کا دوسرا دورہ تھا۔1952ء میں وزارت امور کشمیر کے جوائنٹ سیکریٹری کی سطح کے افسر کو پولیٹیکل ریزیڈنٹ اور چیف ایڈوائزر برائے آزاد کشمیر کے اختیارات تفویض کیے گئے،جس کے مطابق جوائنٹ سیکریٹری گلگت بلتستان اور آزاد کشمیر کا حکمران بن گیا،جس کو مقامی راجاؤں اور میروں کی طرح بے پناہ اختیارات حاصل تھے۔

اسی دوران 1951ء میں چار سال اور ڈیڑھ ماہ بعد گلگت بلتستان کے پہلے پولیٹیکل ایجنٹ سردار عالم خان کا تبادلہ کر کے دسمبر 1951ء میں ان کی جگہ صوبہ سرحد کے سول آفیسر سید فریداللہ شاہ کو نیا پولیٹیکل ایجنٹ نامزد کیا گیا۔سردار عالم خان کے بارے میں مقامی لوگوں کی رائے اچھی نہیں تھی۔اگرچہ سردار عالم خان پہلے پولیٹکل ایجنٹ تھے اور انہیں خطے میں ایک طویل عرصے تک رہنے کا موقع بھی ملا،تاہم اپنے بعض غیر اہم اور غلط اقدام کے باعث وہ عوام میں ہمدردی پیدا نہ کر سکے،بلکہ ان کے خلاف نفرت میں مسلسل اضافہ ہوا۔1951ء میں سید فریداللہ شاہ نے انتظام سنبھالا اور تقریباً 13 ماہ تک وہ گلگت بلتستان کے پولیٹیکل ایجنٹ کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔اس دوران انہوں نے جہاں مقامی لوگوں کی صدق دل سے خدمت کی،وہیں کئی اہم خدمات بھی سرانجام دیے۔سید فریداللہ شاہ کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ وہ انتہائی دلیر اور قابل آدمی تھے۔ان کے دور میں گلگت بلتستان کے ریزیڈنٹ فضل احمد کریم فضلی نے خطے کا دورہ کیا۔

اس دوران خطے میں سول ملازمین کی مراعات کے حوالے سے تنازع چل رہا تھا،جبکہ اس تنازع کی ابتدا سردار عالم خان کے دور میں ہی ہوئی تھی،مگر انہوں نے اسے کلی طور پر نظرانداز کر دیا تھا،سید فریداللہ شاہ کی آمد کے بعد سرکاری ملازمین نے اپنی مراعات کے حوالے سے جدوجہد ایک مرتبہ پھر شروع کی۔ریزیڈنٹ کے دورہ گلگت بلتستان کے

دورے کے موقع پر سید فرید اللہ شاہ نے ملازمین کے رہنماؤں کو ہدایت کی کہ وہ کسی طرح ریزیڈنٹ سے ملاقات کر کے اپنے مسائل سے ان کو آگاہ کریں، اس کے لیے کسی پیشگی اجازت کی ضرورت نہیں۔ ملازمین نے کوشش کی اور ریزیڈنٹ کی رہائش گاہ پہنچے، جہاں پر ریزیڈنٹ فضل احمد کریم فضلی نے پیشگی اجازت کے بغیر وفد کے ارکان کو ملاقات کا موقع دینے سے انکار کیا، تاہم وفد کے ارکان زبردستی ان کے رہائشی کمرے میں گئے اور اپنے مسائل سے ان کو آگاہ کرنے کی کوشش کی۔ اس دوران انہوں نے پیشگی اجازت کے بغیر ملاقات کرنے کے جرم میں سخت کارروائی کی دھمکی بھی دی، تاہم ملازمین نے جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے مطالبات سے انہیں آگاہ کیا، چند ماہ بعد وزارت امور کشمیر نے ملازمین کے مطالبات کو تسلیم کیا۔ اس دوران پیشگی اجازت کے بغیر ملازمین کو ملاقات کا موقع فراہم کرنے پر ریزیڈن سید فرید اللہ شاہ سے شدید ناراض تھے اور یوں انہوں نے مارچ 1953ء میں فرید اللہ شاہ کا تبادلہ کر دیا۔ سید فرید اللہ کی آمد سے قبل خطے کے عوام میں پاکستانی حکام کے حوالے سے کافی خدشات تحفظات اور شکایات تھیں، تاہم سید فرید اللہ شاہ نے اپنے اقدام کے ذریعے کسی طرح ان کے ازالے کی کوشش کی۔

مارچ 1951ء میں ان کی جگہ محمد جان خان گلگت بلتستان کے پولیٹیکل ایجنٹ نامزد کیے گئے، جو 1955ء تک خطے میں موجود رہے۔ اس دوران انہوں نے کوئی نمایاں کارنامہ سرانجام نہیں دیا۔ 1955ء میں پاکستان میں میجر جنرل سکندر مرزا نے ملک کے پہلے صدر کی حیثیت سے اقتدار سنبھالا اور ان کا دور ملکی تاریخ کا انتہائی جوڑ توڑ اور بدحالی کا رہا اور ان کے دور میں پہلا پانچ سالہ ترقیاتی منصوبہ بھی پاکستان میں پیش ہوا تاہم اس منصوبے میں گلگت بلتستان کو نظرانداز کر دیا گیا۔

1955ء میں گلگت بلتستان کی آزاد ریاست کے سابق فوجی سربراہ کرنل حسن خان جو مختلف مسائل کا شکار تھے نے گلگت لیگ کے نام سے خطے کی پہلی سیاسی تنظیم قائم کی۔ اس سے قبل خطے میں کوئی بھی سیاسی مقامی تنظیم نہیں تھی جبکہ کشمیر سے تعلق رکھنے والی تنظیموں سے منسلک افراد کے خلاف مختلف ہتھکنڈے استعمال کر کے انہیں پریشان کیا گیا، جس کی وجہ سے مقامی لوگ سیاسی سرگرمیوں سے کسی حد تک دور رہتے تھے، کیونکہ پولیٹیکل ایجنٹ اور ریزیڈنٹ کے پاس بے پناہ اختیارات تھے۔ کرنل حسن خان نے سیاسی تنظیم تو قائم کر لی مگر ان کی تنظیم کو زیادہ پذیرائی نہیں ملی، جس کی کئی وجوہ بتائی جاتی ہیں۔ 7 اکتوبر 1958ء کو پاکستان میں جنرل اسکندر مرزا نے مارشل لاء نافذ کیا جس کی وجہ سے پاکستان کی طرح گلگت بلتستان میں بھی سیاسی تنظیمیں تقریباً ختم ہوئیں اور یوں کرنل حسن خان کی گلگت لیگ اپنے قیام کے چوتھے سال ہی ختم ہوئی۔ جولائی 1955ء میں تیسرے پولیٹیکل ایجنٹ محمد جان خان کا تبادلہ کر کے ان کی جگہ محمد زمان کیانی کو گلگت بلتستان کا پولیٹیکل ایجنٹ بنایا گیا، جو 1958ء تک خدمات سرانجام دیتے رہے۔

1958ء کے بعد ملک کے مختلف حصوں میں موجود خطے کے نوجوانوں نے اپنی سرگرمیاں خفیہ طور پر شروع کیں اور خطے کے حوالے سے نجی سطح پر مختلف لوگوں سے رابطے کیے تاہم چونکہ ملک میں مارشل لا تھا، اس لیے زیادہ سرگرمیاں دکھانا انتہائی مشکل تھا، اس کے باوجود کراچی میں موجود خطے کے مختلف نوجوان جن میں لبریشن فرنٹ کے سربراہ امان اللہ خان، بلتستان کے محمد اسحاق بلتستانی، قوم پرست رہنما امیر حمزہ اور دیگر نے اپنی سرگرمیاں تیز کیں اور انہی کی کوشش سے کراچی میں گلگت بلتستان یونائیٹڈ آرگنائزیشن بنائی گئی، جو خطے سے باہر نوجوانوں کی پہلی تنظیم تھی جس نے ملکی اور غیر ملکی سطح پر خطے کے لیے بڑے پیمانے پر کام کیا، تاہم مارشل لا کے باعث وہ زیادہ پرزور انداز میں کام نہ کر سکے۔

1961ء میں ملک کے دیگر حصوں کی طرح گلگت بلتستان کو بھی پہلا بلدیاتی نظام دیا گیا۔ یہ نظام 3 سطحوں پر مشتمل تھا یونین کونسل، ٹاؤن کمیٹی اور تحصیل وضلع کونسل۔ گلگت بلتستان میں پہلی بار اس بلدیاتی نظام کے ذریعے لوگوں کو بالغ رائے دہی کی بنیاد پر ووٹ کا حق دیا گیا۔ اس سے قبل نومبر 1958ء میں بریگیڈیئر حبیب الرحمٰن کو خطے کا پانچواں پولیٹیکل ایجنٹ نامزد کیا گیا، جو اکتوبر 1961ء تک خدمات سرانجام دیتے رہے۔

(جاری ہے)

گلگت بلتستان کی داخلی خود مختاری اور اصل حقائق (20)

عبدالجبار ناصر

7 اکتوبر 1958ء کو میجر جنرل سکندر مرزا نے اپنی صدارت کو بچانے کے لیے ملک میں مارشل لاء نافذ کردیا، تاہم انہیں اس بات کا خطرہ تھا کہ فوج کے اندر بغاوت ہو سکتی ہے اس لیے انہوں نے اپنے اقتدار کو بچانے کے لیے فوج میں شامل بعض اہم جنرلوں کی حمایت حاصل کرنے کی کوشش کی، جس کی اطلاع فوج کے سربراہ اور چیف مارشل لاء ایڈمنسٹر جنرل ایوب خان کو ملی، جنہوں نے 27 اکتوبر 1958ء کو جنرل سکندر مرزا کو صدارت سے ہٹادیا اور 28 اکتوبر کو خود صدارت سنبھالی۔ یوں بطور صدر اور چیف مارشل لاء ایڈمنسٹر انہوں نے اقتدار پر کلی طور پر قبضہ کیا۔ ان کا اقتدار 24 مارچ 1969ء تک قائم رہا۔ مجموعی طور پر ایوب خان کا دور اقتدار پاکستان اور پورے خطے کے لیے ترقی اور خوشحالی کا رہا۔ پاکستان کے علاوہ گلگت بلتستان اور آزاد کشمیر میں بھی ان کے دور میں کافی حد تک ترقی ہوئی، البتہ گلگت بلتستان میں بڑے پیمانے پر سیاسی اصلاحات نہ ہونے کے برابر تھیں۔ ملک میں ایوب خان کے دور میں 1961ء میں بلدیاتی انتخابات ہوئے اور اس کے ساتھ ساتھ گلگت بلتستان کی تاریخ میں پہلی مرتبہ بلدیاتی نظام خطے میں متعارف کرایا گیا۔ ایوب خان کے دور میں چین سے صوبہ سرحد تک شاہراہ قراقرم کی تعمیر پاکستان اور چین کے مابین دوستی کا ایک اہم سنگ میل ہے۔

مارشل لاء کے باعث جہاں پاکستان میں سیاسی سرگرمیاں معطل تھیں، اسی طرح گلگت بلتستان میں بھی سیاسی سرگرمیاں نہ ہونے کے برابر تھیں۔ اس کی ایک وجہ مارشل لاء کے علاوہ خطے میں سیاسی شعور نہ ہونا بھی تھی۔ تاہم 1951ء سے 1959ء تک خطے کے لوگوں میں بنیادی حقوق اور قانونی، آئینی اور جمہوری اصلاحات کے حوالے سے کافی شعور بیدار ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ 60ء کی دہائی کے وسط میں چھوٹی بڑی مختلف جماعتوں پر مشتمل گلگت بلتستان جمہوری محاذ نامی تنظیم کا قیام عمل میں لایا گیا۔

ایوب خان کے دور میں پاکستان میں دوسرا ترقیاتی پانچ سالہ منصوبہ 1960ء سے 1965ء تک کے لیے بنا، جو 33 ارب روپے کا تھا اور پہلی مرتبہ گلگت بلتستان کے لیے اس منصوبے میں 2 کروڑ 30 لاکھ روپے مختص کیے گئے۔ اس سے قبل پہلے پانچ سالہ ترقیاتی منصوبے میں خطے کو نظر انداز کیا گیا تھا۔ ایوب خان کے دور میں ہی تیسرا پانچ سالہ قومی ترقیاتی منصوبہ 1965ء سے 1970ء تک کے لیے بنا۔ اس منصوبے میں گلگت بلتستان کے لیے 7 کروڑ 20 لاکھ روپے مختص کیے گئے، جس سے خطے میں ترقیاتی کاموں میں کافی بہتری آئی۔ البتہ سیاسی حوالے سے محرومی کا خاتمہ بلدیاتی نظام متعارف کرانے کے بعد بھی نہیں ہوا، جس کی وجہ سے اندرون خانہ سیاسی سرگرمیاں دن بدن تیز ہوئیں اور

لوگوں کے اندر شعور بیدار رہا۔1964ء میں ایک انتظامی تبدیلی کر کے بلتستان کو گلگت سے الگ ایجنسی کا درجہ دیا گیا اور وہاں الگ پولیٹیکل ایجنٹ کی تعیناتی کی گئی۔ یہ بلتستان کے عوام کا دیرینہ مطالبہ تھا۔اس سے بلتستان کی حد تک لوگوں کو مطمئن کرنے کی کوشش کی گئی، البتہ1967ء میں ایک اور انتظامی تبدیلی کے ذریعے گلگت بلتستان کے ریذیڈنٹ کی الگ پوسٹ پیدا کی گئی اور ریذیڈنٹ کو پابند بنایا گیا کہ وہ گلگت میں بیٹھے اور اس کے لیے خطے کے دارالحکومت گلگت کو ہیڈ کوارٹر قرار دیا گیا۔اس سے قبل وزارت امور کشمیر کا ایک جوائنٹ سیکریٹری ہی گلگت بلتستان کا ریذیڈنٹ اور آزاد کشمیر کا چیف ایڈوائزر رہا کرتا تھا۔ایوب دور کے آخر میں خطے کے بلدیاتی اداروں کو کسی حد تک انتظامی امور میں خودمختاری دی گئی تھی اور ان کے مسائل کے حل کے لیے آسانیاں پیدا کی گئیں۔

قبل ازیں1961ء میں سید اجلال حسین زیدی کو گلگت بلتستان کے چھٹے پولیٹیکل ایجنٹ کے طور پر تعینات کیا گیا اور وہ دسمبر1963ء تک اس عہدے پر رہے۔ ان کے دور میں مختلف اصلاحات کے حوالے سے کافی کام ہوا، تاہم انہوں نے زیادہ کام ریذیڈنٹ آف گلگت بلتستان کی حیثیت سے 14 فروری1973ء سے 10 جنوری1975ء تک کیا۔بطور ریذیڈنٹ اجلال حسین زیدی کی کارکردگی اصلاحات کے حوالے سے جہاں اچھی نظر سے دیکھی جاتی ہے، وہیں پر بعض امور پر انہیں تنقید کا نشانہ بھی بنایا جاتا ہے، جن میں لوگوں کو احتجاج کے مواقع فراہم کرنا اور نگر کی ریاست کے خاتمے کے بعد نگر کی حد تک شیعہ علماء بورڈ کو ہر طرح کے فیصلوں کا اختیار دینا شامل ہے۔اس خطے میں یہ پہلا بورڈ تھا جس کو ایک مخصوص علاقے میں عدالتی اختیارات دیے گئے تھے، تاہم یہ بورڈ کوئی زیادہ نمایاں کامیابی حاصل نہیں کر سکا، جس کے باعث لوگوں نے ایک مرتبہ پھر اپنے فیصلوں کے لیے اس بورڈ کی بجائے عدالتوں کا رخ کیا۔اگرچہ اجلال حسین زیدی نے اس فیصلے کے ذریعے وقتی طور پر بالخصوص نگر کے لوگوں کی ہمدردیاں حاصل کیں، مگر بعدازاں ان کا یہی فیصلہ ان کے خلاف چارج شیٹ کا حصہ بن گیا۔

25مارچ1969ء کو شدید عوامی دباؤ پر صدر ایوب نے استعفاء دیا، جس کے بعد جنرل یحییٰ خان نے اقتدار سنبھالا۔ یحییٰ خان کے دور کو ملکی تاریخ کا سیاہ ترین سمجھا جاتا ہے۔اسی دور میں ملک کے ون یونٹ کو توڑ کر ایک مرتبہ پھر سابق صوبے بحال کر دیے گئے، جبکہ1971ء میں بھارت سے جنگ کے دوران 19 دسمبر1971ء کو مشرقی پاکستان بنگلہ دیش بن گیا۔اس طرح1947ء میں لاکھوں مسلمانوں کی قربانیوں اور مسلمانوں کی دو سو سالہ جدوجہد کے نتیجے میں قائم ہونے والا پاکستان دولخت ہوا۔قبل ازیں یحییٰ خان کے دور میں آزاد کشمیر کی تین جماعتوں کے مابین اتحاد ثلاثہ کے نام سے ایک معاہدہ ہوا، جس میں اتحاد ثلاثہ اور یحییٰ خان کے درمیان دیگر امور کے علاوہ گلگت بلتستان کے لیے ایک متبادل نمایندہ انتظامیہ کے قیام کا فیصلہ کیا گیا، جس میں یہ بات بھی شامل تھی کہ خطے کے لیے آزاد کشمیر طرز پر ایک

با اختیار کمیٹی تشکیل دی جائے۔

وقتی طور پر ان فیصلوں پر عمل تو ہوا مگر با اختیار کی جگہ 1970ء میں گلگت بلتستان میں ایک بے اختیار کمیٹی کا قیام عمل میں لایا گیا، جس کا نام نادرن ایریاز مشاورتی کمیٹی رکھا گیا۔ اس کمیٹی کو کسی بھی طرح قانون سازی، انتظامی یا ترقیاتی کوئی اختیار نہیں تھا۔ صرف مشاورت کی حد تک کمیٹی قائم کی گئی تھی اور یہ بھی ضروری نہیں تھا کہ کمیٹی کی مشاورت پر عمل کیا جائے، یہی وجہ ہے کہ خطے میں مایوسی میں مسلسل اضافہ ہوا۔ جب آزاد کشمیر میں 1970ء میں انتخابات ہوئے تو گلگت بلتستان کے لوگوں کا مطالبہ تھا کہ آزاد کشمیر اسمبلی میں نمائندگی دی جائے۔ اس پر محاذ رائے شماری اور اس کے علاوہ مختلف سیاسی اور سماجی رہنماؤں نے شدید احتجاج کیا اور ہفتہ گلگت بلتستان منانے کے علاوہ گلگت میں جا کر جلسے جلوس بھی کیے۔

جنرل یحییٰ خان کے دور میں گلگت بلتستان پر کوئی زیادہ توجہ نہیں دی گئی، کیونکہ ایک تو ان کا دور انتہائی مختصر رہا، دوسرا یہ کہ ملک مختلف سیاسی اور سرحدی تنازعات کا شکار رہا، البتہ ایوب خان کی حکومت سے علیحدگی کے بعد ذوالفقار علی بھٹو کی اس خطے پر نظریں تھیں، کیونکہ چین کے ساتھ ہونے والے 1963ء کے معاہدے میں ذوالفقار علی بھٹو پیش پیش تھے اور انہوں نے اس دوران گلگت بلتستان کی اہمیت کو بھی سمجھا۔ یہی وجہ ہے کہ اقتدار میں آتے ہی انہوں نے بڑے پیمانے پر خطے کے لیے اصلاحات تجویز کیں، جن کی وجہ سے لوگوں میں آج بھی پیپلز پارٹی کے لیے ہمدردیاں موجود ہیں۔

(جاری ہے)

گلگت بلتستان کی داخلی خودمختاری اور اصل حقائق (21)

عبدالجبار ناصر

اس وقت ہم گلگت بلتستان کے سابق بلدیاتی طرز کے نظام اور موجودہ بلدیاتی نظام کا تقابلی جائزہ پیش کریں گے۔گلگت بلتستان میں اگرچہ بالغ رائے دہی کی بنیاد پر منتخب ہونے والے بلدیاتی نمایندوں کے انتخاب کا عمل 1961ء سے شروع ہوا۔صدر ایوب خان نے اقتدار سنبھالنے کے بعد جون 1959ء میں پاکستان میں ایک نیا بلدیاتی نظام متعارف کرایا، جس کو بنیادی جمہوریتوں کا نام دیا گیا، جس کے بعد 1961ء میں گلگت بلتستان تک اس کو وسعت دی گئی لیکن گلگت بلتستان کے تقریباً تمام علاقوں میں اس سے بہتر مضبوط، مربوط اور منظم نظام پہلے سے ہی موجود تھا، اگرچہ اس میں بالغ رائے دہی کی بنیاد پر انتخاب نہیں کیا جاتا تھا، تاہم ان نمایندوں کے انتخاب میں گاؤں، علاقہ اور وادیوں کی سطح پر کثرت رائے یا اتفاق رائے کو مدنظر رکھا جاتا تھا۔

استور، گلگت اور چلاس کے علاقوں میں بلدیاتی نظام کا آغاز گھر سے ہوتا تھا۔گھر کے سربراہ کو ''مالک'' کہتے تھے۔ یہ وہی شخص ہوتا تھا جو اس گھر میں سب سے بڑا ہوتا۔ یہ پردادا، دادا، باپ، تایا، چچا، بڑا بھائی یا جو بھی عمر کے لحاظ سے بڑا ہوتا، گھر میں اس کی مانی جاتی تھی اور تمام اہل خانہ اس کی بھرپور عزت کرتے تھے۔اسی طرح گاؤں میں اتفاق رائے یا کثرت رائے سے ایک شخص کو بڑا بنایا جاتا تھا، جس کو ''معتبر'' کہتے تھے۔ معتبر کی حیثیت پورے گاؤں کے سربراہ کی ہوتی تھی۔گاؤں میں ہونے والے کسی بھی تنازعے میں فیصلوں کا اختیار اس کے پاس ہوتا تھا اور باہر سے حکومت یا دیگر علاقوں سے ملنے والے احکامات کو آگے پہنچانا یا اس پر عملدرآمد کرانا اس ''معتبر'' کی بنیادی ذمہ داری سمجھی جاتی تھی۔پھر چند گاؤں پر مشتمل ایک ''نمبردار'' ہوتا تھا، جو اس کے علاقے میں آنے والے تمام معتبرین کو جمع کرکے مختلف فیصلے کرتا تھا۔اگر کسی گاؤں کے لوگ اپنے معتبر کے فیصلے سے اختلاف رائے رکھتے تو اپیل کے لیے نمبردار (جسٹیرو) کے پاس جاتے تھے اور نمبردار بھی اس کی بات سنتا، اس کے بعد فیصلہ کرتا تھا۔چند نمبرداروں کے علاقوں پر مشتمل ایک ''نمبردار اعلیٰ'' ہوتا تھا جس کا اثر مختلف نمبرداروں کے علاقوں میں ہوتا تھا اور اس کی حیثیت علاقے میں ایک اعلیٰ سرکاری افسر کی ہوتی تھی۔مختلف علاقوں اور گاؤں پر مشتمل نمبردار اعلیٰ کے اوپر ایک ''زیلدار'' تھا، جس کی حیثیت تقریباً ضلع کونسل یا تحصیل کونسل کے چیئرمین کی ہوتی تھی، تاہم اختیارات کے لحاظ سے وہ موجودہ ضلع اور تحصیل کونسل چیئرمینوں سے زیادہ بااختیار ہوتے تھے۔زیلدار حکومتی نمایندے تحصیل دار کے ماتحت ہوتا تھا۔حکومت کی جانب سے ملنے والے تمام احکام تحصیل کے ذریعے زیلدار، اس کے ذریعے نمبردار اعلیٰ، اس کے ذریعے نمبردار اور نمبردار کے ذریعے معتبر اور معتبر کے ذریعے گھر کے سربراہ، گھر کے سربراہ کے ذریعے گھر کے ہر فرد تک پہنچتے تھے۔

بلتستان میں بھی تقریباً اسی طرح کا نظام رائج تھا، تاہم اس کے نام مختلف تھے۔ گھر کا سربراہ، پھر قبیلے کا سربراہ، پھر قصبے کا سربراہ، پھر علاقائی سطح پر سربراہ اور اس کے بعد ایک ریاستی سربراہ بنتا تھا۔ دوسری جانب نگر، ہنزہ، پنیال اور ضلع غذر کے مختلف علاقوں میں بھی اسی طرح کا نظام رائج تھا۔ وہاں پر زیلدار کو گورنر، جبکہ نچلی سطح کے دیگر ذمہ داروں کو مختلف ناموں سے پکارا جاتا تھا، البتہ تینوں خطوں میں موجود اس نظام کے تحت ذمہ دار افراد با اختیار ہوتے تھے۔ وہ علاقے میں ہونے والے تنازعات کے فیصلوں سے لے کر حکومتی احکام پر عملدر آمد کرانے کے علاوہ عوام کے مسائل اعلیٰ حکام تک پہنچانے کے ذمہ دار ہوتے، جبکہ مختلف علاقوں سے مالیہ کے علاوہ ٹیکسوں کی وصولی کی ذمہ داری بھی تقریباً انہی لوگوں کی ہوتی۔ اگرچہ یہ براہ راست خود جمع نہیں کرتے تھے، تاہم ان کی ہدایت پر مقامی لوگ ٹیکسوں کی صورت میں رقم یا جنس کی صورت میں جمع کرتے تھے، جو حکومت تک پہنچتے ہیں۔ حکومت بھی ان کا بھرپور خیال رکھتی اور عزت کی نگاہ سے دیکھتی تھی۔ حکومت کسی بھی معاملے میں ان لوگوں کو اعتماد میں لیتی، یہاں تک کہ زیلدار، نمبردار اعلیٰ اور نمبردار کو حکومت بعض اوقات مراعات بھی دیتی تھی۔

نمبرداری نظام خطے میں 1961ء میں بلدیاتی نظام کے آغاز تک جاری رہا، جبکہ معتبر بعض علاقوں میں اب موجود ہیں اور بیشتر علاقوں میں نوے کی دہائی کے آخر تک کام کرتے رہے، بعدازاں یہ نظام زوال پذیر ہوا۔ بلدیاتی نظام اور سابق نظام میں بنیادی فرق یہ تھا کہ بلدیاتی نظام میں بالغ رائے دہی کی بنیاد پر جمہوری انداز میں نمائندوں کا انتخاب کیا جاتا ہے، جبکہ سابق نظام میں باہمی مشاورت سے صلاحیت کی بنیاد پر افراد کا انتخاب کیا جاتا تھا اور بلدیاتی نظام کے نتیجے میں منتخب ہونے والے افراد نہ صرف بہت سارے معاملات میں سابق نظام کے مقابلے میں بے اختیار ہیں، بلکہ عوام میں ماضی کے مقابلے میں انہیں عزت واحترام سے بھی نہیں دیکھا جاتا۔ سابق نظام ایک مضبوط اور مربوط نظام تھا، البتہ اس میں بعض اوقات لوگوں کے ساتھ زیادتیاں بھی ہوجاتی تھیں۔ زیلدار، نمبردار اعلیٰ، نمبردار اور معتبر بعض اوقات ذاتی تعلق، پسند نہ پسند کی بنیاد پر غلط فیصلے کرتے تھے، جس کی وجہ سے مسائل پیدا ہوتے تھے لیکن یہ نظام اپیل کے لیے ترتیب وار مختلف حکومتی حکام تک پہنچنے کا ذریعہ بھی تھا، جس کی وجہ سے مسائل کا ازالہ بھی ہوتا اور تقریباً انصاف کے تقاضے بھی پورے ہوتے تھے۔ سابقہ نظام کے تحت نمائندوں کی کوئی مدت مقرر نہیں ہوتی تھی، البتہ بلدیاتی نظام میں ایک معینہ مدت ہے۔ اس کے بعد بالغ رائے دہی کی بنیاد پر نئے انتخاب ہوتے ہیں۔

ہم جب موجودہ بلدیاتی نظام اور سابق نظام کا جائزہ لیتے ہیں تو موجودہ نظام کے مقابلے میں سابق نظام بہتر نظر آتا ہے، کیونکہ اس میں عوامی نمائندوں کو انتہائی عزت اور احترام کا مقام حاصل تھا۔ موجودہ نظام میں ایسا نہیں ہے۔ سابق نظام میں انتشار کم اور اتفاق زیادہ، جبکہ موجودہ جمہوری نظام میں انتشار زیادہ اتفاق کم ہے، اس لیے جن لوگوں نے

سابق نظام کو دیکھا ہے وہ موجودہ نظام کے مقابلے میں اس کو بہتر سمجھتے ہیں اور تاریخ کے مطالعے اور فیصلوں سے بھی یہی محسوس ہوتا ہے۔ پاکستان کے بعد گلگت بلتستان میں بلدیاتی نظام رائج ہونے کے بعد صورت حال میں بہتری کی امید تھی مگر یہ صرف ایک خواب ثابت ہوا اور لوگوں کے مسائل حل نہیں ہوئے، البتہ موجودہ بلدیاتی نظام میں بلدیاتی نمایندوں کو محدود سطح پر بعض مالیاتی اختیارات حاصل ہیں جس کی وجہ سے ترقیاتی کام ہوئے۔ تاہم اس نظام کو مزید اصلاحات کے ذریعے بہتر کرنے کی ضرورت ہے۔

حکومت پاکستان نے سابق مقامی نظام کو مزید بہتر اور فعال کرنے کی بجائے جون 1959ء میں رائج کردہ سابق صدر ایوب خان کے بنیادی جمہوری نظام کا باقاعدہ نفاذ باقاعدہ طور پر کیا یہ نظام تین سطحوں پر مشتمل تھا یونین کونسل ٹاؤن کمیٹی اور تحصیل اور ضلع کونسل اور ان کا انتخاب بالغ رائے دہی کی بنیاد پر ہوتا تھا اس میں دیگر دو اداروں کے مقابلے میں کونسل کو اہمیت حاصل تھی کہ اس کا چیئرمین کا انتخاب ممبران خود کرتے تھے جبکہ ٹاؤن تحصیل اور ضلع کونسل کے چیئرمین اسسٹنٹ پولیٹیکل ایجنٹ ہوا کرتا تھا دوسری طرف اس نظام میں 1967ء میں بعض ترامیم کے ذریعے اداروں کو بااختیار بنایا گیا اور تینوں سطحوں کے کونسلوں کو اپنے چیئرمین اور وائس چیئرمین کے انتخاب کا حق دیا گیا اس وقت گلگت بلتستان دو ایجنسیوں پر مشتمل تھا گلگت اور بلتستان دونوں کے لیے ایک ایک ضلع کونسل، ایک ایک ٹاؤن کونسل اور 23،23 یونین کونسلیں بنائی گئیں تھی اس طرح گلگت بلتستان کے لیے مجموعی طور پر دو ضلع کونسلیں دو ٹاؤن کمیٹیاں اور 46 کونسلیں تھیں مجموعی طور پر ان کی 50 بنتی ہے۔

(جاری ہے)

گلگت بلتستان کی داخلی خودمختاری اور اصل حقائق (22)

عبدالجبار ناصر

گلگت بلتستان میں ایوب خان کے دور اقتدار میں دیا جانے والا بلدیاتی نظام دراصل نمبرداری نظام کے نعم البدل تھا۔ ان میں پہلی بار بالغ رائے دہی کی بنیاد پر اراکین منتخب ہوئے۔ ان اداروں کے قیام کا بنیادی مقصد عوام میں جمہوری شعور پیدا کرنا تھا۔ بدقسمتی سے گلگت بلتستان کے عوام کو جمہوریت کی اس بنیاد سے بھی خاطر خواہ آگاہی حاصل نہیں ہوئی اور جو لوگ انتخابات کے ذریعے منتخب ہوئے وہ بھی اس ابتدائی منتخب بلدیاتی ادارے کو اچھی طرح سمجھنے سے قاصر رہے۔ محض ذاتی اور گروہی مفادات کی خاطر ان اداروں میں آتے رہے اور یہ سلسلہ تا حال جاری پاکستان کے دیگر حصوں کی طرح گلگت بلتستان بلدیاتی نمایندے نمایاں انداز میں کام نہیں کر سکے، بلکہ حکومت سے ملنے والی مرعات اور سرکاری اسکیموں کو ترقی کی بجائے صرف من پسند لوگوں کو راضی کرنے اور ووٹروں رقم کی فراہمی کا ذریعہ بنایا گیا یہی وجہ گزشتہ 40 سال بلدیاتی اداروں کی اسکیموں کا جائزہ لیا جائے تو ایک ایک اسکیم پر کئی کئی بار کام ہوا ہے اس کے باوجود بیشتر بلدیاتی اداروں کی اسکیمیں عوامی فلاح و بہبود کے لیے بہتر ثابت نہیں ہو رہی۔ حالانکہ یہ نظام دیہات سدھار پروگرام کے ذریعے متعارف کرایا گیا تھا۔ جو 1956ء میں قائم ہوا تھا اور 1960ء تک جاری رہا۔ البتہ گلگت بلتستان میں پہلی بار بالغ رائے دہی کی بنیاد پر 1961ء میں بنیادی جمہوری اداروں (بلدیاتی اداروں) کے لیے انتخابات ہوئے۔

1979ء میں ملک کے دوسرے حصوں کی طرح گلگت بلتستان میں بلدیاتی اداروں میں مختلف ترامیم کے ذریعے نئے اختیارات دے کر ان اداروں کو مزید بہتر بنانے کی کوشش کی گئی جس سے بلدیاتی اداروں میں نئی رخ پیدا ہوگئی اور علاقوں میں مقامی نمایندوں کے مابین انتخابات کرایا گیا جس کے بعد انہیں ان اداروں کی ذمہ داریاں دی گئیں گلگت بلتستان میں ان اداروں کی تشکیل لوکل گورنمنٹ آرڈر کے تحت ہوئی اس آرڈر کے تحت بلدیاتی اداروں کو 5 مختلف حصوں میں تقسیم کیا گیا۔

1۔ دیہی کونسلیں: یہ ہر دیہہ یا دیہات کے مجموعے کے لیے قائم کی گئی لیکن دیہی کونسل کو عملی طور پر باقاعدہ تشکیل نہیں دی گئی بلکہ یونین کونسل میں شامل رہی اور آج تک ان دیہی کونسلوں کا عملاً وجود کہیں نظر نہیں آیا۔

2۔ یونین کونسلیں: کئی دیہات کے مجموعے کو یونین کونسل قرار دیا گیا اور ان اداروں کو از سر نو ترتیب دیا گیا۔ دیہی ترقی اور اجتماعی ترقیاتی امور مقامی سطح پر ان کے سپرد کر دیے گئے۔ گلگت بلتستان میں 105 یونین کونسلیں بنائی گئیں۔

3۔ مرکز کونسلیں: یہ کونسلیں ہر مرکز یعنی سب ڈویژن میں قائم ہے۔ یونین کونسل کے چیئرمین مرکز کونسل کا ممبر ہوتا

ہے۔گلگت بلتستان میں کل 12 مرکز کونسلیں ہیں۔ان کونسلوں کا بھی کوئی کردار نمایاں نہیں رہا اور یہ اپنی افادیت کو کھو بیٹھ گئی۔

4۔میونسپل کمیٹی: شہری علاقہ جس کی آبادی دس ہزار سے زائد ہو وہاں ایک میونسپل کمیٹی ہوگی ماسوائے ضلعی صدر مقام کے کیونکہ میونسپل کمیٹی کے قیام کے لیے آبادی کی کوئی شرط نہیں ہوگی۔اس آرڈر کے تحت تمام ضلعی ہیڈکوارٹرز بلا امتیاز آبادی میونسپل کمیٹی قرار دے دی گئی اور پورے گلگت بلتستان میں تین میونسپل کمیٹیاں قائم کی گئیں جو گلگت، سکردو اور چلاس میں تھیں۔تاہم اضلاع کے اضافے کے ساتھ میونسپل کمیٹی اور ضلع کونسل کی تعداد میں اضافہ کیا گیا۔

5۔ضلع کونسلیں: ہر ضلع کے لیے ایک ضلع کونسل بنادی گئی اور گلگت، بلتستان اور دیامر میں کل تین ضلع کونسلیں قائم کی گئیں۔

مذکورہ بالا مقامی کونسلوں کے لیے گلگت بلتستان میں 1979ء کے انتخابات کے تحت 113 بلدیاتی ادارے مقامی حکومت کے ماضی کے پروگراموں سے کئی لحاظ سے مختلف ہیں۔ان میں کنٹرولنگ اتھارٹی کا تصور ختم کر دیا گیا۔ہر ادارے کے انتخابات براہ راست کرائے گئے۔چنانچہ 1979ء میں گلگت بلتستان میں عوام کے منتخب شدہ اور جمہوری بنیادوں پر استوار ہونے والی مقامی حکومت (بلدیاتی اداروں) کے نظام نے یہاں لوکل کونسلوں کو جنم دیا یہ کونسلیں پورے گلگت بلتستان کے دور دراز اور پسماندہ علاقوں تک احاطہ کرتی ہیں۔ان لوکل کونسلوں کا انتظام بالغ رائے دہی اور خفیہ رائے شماری کی بنیاد پر عوام کے منتخب کردہ مقامی کونسلروں کو تفویض ہوا۔اس طرح سے اس نظام نے گلگت بلتستان میں معاشرتی سطح پر ایک ایسے ادارے کی بنیاد ڈالی جو اس وقت علاقے کا واحد منتخب شدہ سب سے بڑا عوامی ادارہ ہے (گلگت بلتستان قانون ساز اسمبلی) اور اس کی جڑیں عوام میں ہیں۔

نومبر 1979ء میں انتخابات ہوئے اور پھر دسمبر 1979ء میں جب منتخب شدہ مقامی کونسلروں نے اپنے معاملات کو چلانے کے اختیارات اور ذمہ داریاں سنبھالیں تو گلگت بلتستان میں یہ ادارے انتہائی ناگفتہ بہ حالت میں تھے۔ بلدیاتی نظام کی خودمختاری خواہ سیاسی ہو یا انتظامی دراصل ان بلدیاتی اداروں کی مالی خودمختاری میں مضمر ہے۔مقامی حکومت کو مقامی خودمختار حکومت بنانے کے لیے جو بنیادی اور اہم اقدام درکار تھے اس میں ان بلدیاتی اداروں کو مالی خودمختاری دینا لازم تھا بلدیاتی اداروں کے قیام کے باوجود ان اداروں کے نمائندے اور ادارے فنڈ کی فراہمی کے حوالے سے ہمیشہ انتظامیہ اور متعلقہ حکام کے ماتحت ہی رہے ہیں۔جس سے ادارے تو مضبوط نہیں ہوئے البتہ انفرادی طور پر شخصیات کو فائدہ ملا اور بلدیاتی نظام سے اعتماد تقریباً اٹھ گیا۔

ان اداروں کو دی جانے والی مالی خودمختاری صرف نعروں اور قانون سازی کی حد تک رہی عمل آج تک نہیں ہوا۔اس

لیے یہ ضروری ہے کہ گلگت بلتستان میں بلدیاتی اداروں اور کونسلوں کی اس ناگفتہ بہ صورت حال پر تفصیلی غور کیا جائے تا کہ ان کی کارکردگی کو بہتر بنانے کے ساتھ ساتھ مفاد عامہ کے لیے کام ہو سکے اور قوم کے بجٹ سے خرچ کیا جانے والا فنڈ ضائع ہونے سے بچ جائے۔ دسمبر 1979ء میں گلگت بلتستان میں قائم کی گئی لوکل کونسلوں کی تعداد 111 تھی جن میں 3 ضلع کونسلیں 3 میونسپل کمیٹیاں اور 105 یونین کونسلیں۔ جبکہ ممبران کی تعداد مجموعی طور پر 880 تھی جن میں 32 ضلع کونسل کے ممبر 41 میونسپل کمیٹی کے ممبر اور 860 یونین کونسل کے ممبران تھے۔

(جاری ہے)

گلگت بلتستان کی داخلی خودمختاری اور اصل حقائق (23)

عبدالجبار ناصر

1979ء کے پہلے بلدیاتی اداروں کی مدت کے اختتام پر دوسری بار انتخابات منعقد ہوئے۔ اس طرح 1983ء، 1987ء، 1991ء میں بلدیاتی انتخابات انتہائی کامیابی سے مقررہ وقت پر مسلسل منعقد کرائے گئے۔ 1991ء کے انتخابات کے دوران گلگت بلتستان میں دو سابقہ اضلاع غذر اور گنگچھے بحال کیے گئے، جس کے بعد بلدیاتی اداروں کی تعداد مجموعی طور پر بڑھ کر 115 ہوگئی، جبکہ ممبران کی تعداد 911 ہوگئی۔ دو اضلاع کے اضافے کے بعد ضلع کونسلوں کی تعداد 5، یونین میونسپل کمیٹیوں کی تعداد 5 اور یونین کونسلوں کی تعداد 105 ہی رہی، جبکہ ضلع کونسلوں کے ممبران کی تعداد بڑھ کر 55 موسپل کمیٹی کے ارکان کی تعداد 807 ہی رہی۔ 11 اکتوبر 2004ء کو نئے ضلع استور کے قیام کے بعد اگرچہ ابھی تک نشستوں اور یونین کونسلوں کی تعداد میں اضافہ نہیں کیا گیا، تاہم ایک نئی میونسپل کمیٹی کا قیام عمل میں لایا گیا ہے، جس کے بعد میونسپل کمیٹیوں کی تعداد بڑھ کر 5 ہوگئی۔ ضلع استور کے حصے میں آنے والی ضلع کونسل کی پانچ نشستیں اور 8 یونین کونسلیں ضلع دیامر سے نکالی گئیں، امکان ہے کہ موجودہ حکومت عوام کے مطالبے کے مطابق نشستوں اور یونین کونسلوں کی تعداد میں اضافہ کرے گی۔

2002ء میں پاکستان میں نیا بلدیاتی نظام لاگو کیا گیا، جس کے تحت ضلعوں میں ضلع، تحصیل اور یونین سطح پر ناظمین، نائب ناظمین، جنرل کونسلروں، لیبر کونسلروں، خواتین کونسلروں اور اقلیتی کونسلروں پر مشتمل کونسلیں قائم کی گئیں، تاہم حکومت نے گلگت بلتستان میں اس نظام کو رائج کرنے کی بجائے سابقہ نظام کو ہی بحال رکھا اور سابقہ نظام میں بہتری لانے کی کوشش بھی نہیں کی گئی۔ اب جبکہ پاکستان میں ایک مرتبہ پھر موجودہ بلدیاتی نظام سوالیہ نشان بن چکا ہے تو گلگت بلتستان میں بھی حکومت نے انتخابات ملتوی کرکے ایک نئی روایت قائم کی، جو سابق آمر ایوب خان، جنرل ضیاء الحق اور پرویز مشرف بھی قائم نہیں کرسکے تھے۔

1961ء سے تاحال گلگت بلتستان میں بلدیاتی اداروں کے انتخابات مسلسل ہوتے رہے ہیں، تاہم موجودہ حکومت نے انتخابات ملتوی کردیے ہیں، جس کی بظاہر کوئی وجہ نظر نہیں آتی اور اس حوالے سے واضح بات بھی حکومت کی جانب سے سامنے نہیں آرہی کہ انتخابات کے التواء کی آخر وجہ کیا ہے؟

اب جب حکومت نے انتخابات ملتوی ہی کردیے ہیں تو پھر ضلع، تحصیل، میونسپل کمیٹیوں اور یونین کونسلوں میں کئی اصلاحات کی ضرورت ہے۔ اس وقت جو یونین کونسلیں اور ضلع کونسلیں موجود ہیں، ان میں نشستوں کی تعداد اور آبادی کے حوالے سے کافی تضادات پائے جاتے ہیں۔ بعض اضلاع میں ضلع کونسلر کی نشستوں میں ووٹوں کی تعداد قانون ساز اسمبلی کی نشستوں کے قریب تر ہے، جبکہ بعض ضلع کونسلوں کی نشستوں کے ووٹوں کی تعداد یونین کونسل سے بھی کم ہے اور

اسی طرح کی صورت حال یونین کونسلوں میں بھی ہے۔ بعض یونین کونسلوں میں ووٹوں کی تعداد ایک ہزار سے کم، بعض میں 6 ہزار سے بھی زائد ہے اور ان میں سے ایک بڑی تعداد دیہی علاقوں کی یونین کونسلوں کی ہے۔ شہری علاقوں میں یونین کونسلوں اور ضلع کونسلوں کی نشستوں میں ووٹوں کی تعداد میں اضافہ سمجھ میں آنے والی بات ہے، تاہم دیہی علاقوں میں یہ صورت حال سمجھ سے بالاتر ہے۔

ضلع کونسل، میونسپل کمیٹی اور یونین کونسل کے منتخب نمایندوں کا براہ راست تعلق ترقیاتی منصوبوں سے ہوتا ہے، اس لیے ان میں نشستوں یا یونین کونسلوں کی تعداد صرف آبادی کو مدنظر رکھ کر بنانے کی بجائے کثیرالجہتی بنیاد پر بنائی جانی چاہیے، جس میں آبادی، رقبہ اور پس ماندگی کو بنیادی اہمیت دینے کی ضرورت ہے۔ اس کے علاوہ مزید اصلاحات کے ذریعے اس نظام کو بہتر بنانے اور مختلف اضلاع کے ذریعے نمایندگی کے حوالے سے جو مختلف معیار بنائے گئے ہیں، ان کو یکساں بنانے کی بھی ضرورت ہے۔

گلگت بلتستان کے بعض علاقوں میں بلدیاتی اداروں کے ذریعے تقسیم ہونے والے فنڈ اور اسکیموں کے معیار کے حوالے سے کوئی مناسب جانچ پڑتال نہیں کی جاتی اور نہ ہی منصوبوں کے فزیبلٹی متعلقہ علاقوں کا جائزہ لے کر تیار کی جاتی ہے، بلکہ اکثر چھوٹے منصوبوں کی فزیبلٹی متعلقہ افسران اور ممبران مل کر تیار کرتے ہیں اور متعلقہ مقام کو خود دیکھنا تک گوارا نہیں کرتے، جس کی وجہ سے بعض اوقات نہ صرف تنازعات پیدا ہوتے ہیں، بلکہ قومی وسائل کے ضائع ہونے کا خدشہ بھی ہوتا ہے۔ بلدیاتی اداروں کے ذریعے رکھی جانے والی اسکیموں کی بڑی تعداد ایسی ہوتی ہے جن کا مقصد کسی علاقے کی ترقی اور لوگوں کی فلاح و بہبود نہیں، بلکہ صرف قومی خزانے سے حاصل ہونے والی رقم کو من پسند لوگوں میں تقسیم کرنا ہوتا ہے تاکہ آیندہ کے لیے مزید ووٹ پکے کیے جائیں۔

نئی اصلاحات میں اس سارے معاملات کو مدنظر رکھنا نہایت ضروری ہے تاکہ لوگوں کو احتساب کا خوف بھی ہو اور قومی دولت ضائع ہونے سے بچ جائے۔ مزید یہ کہ بلدیاتی اداروں کے نمایندوں کو بعض امور پر خودمختاری دینا ضروری ہے اور ان کے لیے اخراجات کی مد میں فنڈ بھی فراہم کیے جائیں، کیونکہ موجودہ نظام میں اکثر اسکیموں کے لیے رکھا ہوا فنڈ متعلقہ ممبران ذاتی اخراجات میں صرف کر لیتے ہیں اور عوام کو بہت کم حصہ ملتا ہے، جس کی وجہ سے عوام اور لیڈروں کے مابین معاملات عدالتوں تک پہنچتے ہیں اور ان کے مابین شدید اختلافات پیدا ہوتے ہیں۔ بعض اوقات یہی اختلافات دشمنیوں کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ اصلاحات کے ذریعے کم از کم چیئرمین اور وائس چیئرمین کو بااختیار بنانے کے ساتھ ساتھ ممبران سے مشاورت اور اہم فیصلوں کے لیے کثرت رائے کی بجائے دوتہائی اکثریت لازمی قرار دی جائے، جس سے کسی کی حوصلہ شکنی نہ ہو۔

(جاری ہے)

اقوال زریں

☆ وہ شخص بے دین ہے جس میں دیانتداری نہیں۔

☆ خوش بخت کو آخرت اور بد بخت کو دنیا کا غم ہوتا ہے۔

☆ جہالت افلاس کی بدترین قسم ہے۔

☆ قناعت سے بڑی دولت ہے۔

☆ تمھیں اس دن پر رونا چاہیے جو نیکی کے بغیر گزار دیا۔

☆ انسان کی بے غرض خدمت کرنا انسانیت کی معراج ہے۔

☆ علم خواہ کتنا ہی زیادہ حاصل ہو جائے ہمیشہ اس کو تھوڑا خیال کرو۔

گلگت بلتستان کی داخلی خودمختاری اور اصل حقائق (24)

عبدالجبار ناصر

گلگت بلتستان کے چوتھے انتظامی دور 20 دسمبر 1971ء سے جولائی 1977ء یہ دور پاکستان میں سابق سول چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر صدر پاکستان اور وزیراعظم پاکستان ذوالفقار علی بھٹو کا دور رہا ہے۔ ذوالفقار علی بھٹو نے مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے بعد 20 دسمبر 1971ء کو بطور صدر پاکستان اور چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کی حیثیت سے ملک کی باگ ڈور سنبھالی۔ 13 اگست 1973ء تک صرف صدر کے طور پر فرائض سرانجام دیتے رہے۔ 14 اگست 1947ء کے بعد ملک میں پارلیمانی نظام شروع ہوا، جس کے بعد صدر پاکستان ذوالفقار علی بھٹو نے 1973ء کے آئین کے تحت پاکستان میں وزیراعظم کی حیثیت سے اختیارات سنبھالے، ان کی حکومت کی مجموعی مدت 5 سال سات ماہ کے قریب بنتی ہے۔

ذوالفقار علی بھٹو کا تقریباً پونے 6 سال کا دور پاکستان کی تاریخ کا اہم ترین دور رہا ہے، کیونکہ اس دور میں ہر سطح پر تقریباً اصلاحات کی گئیں، جن کی وجہ سے عوام کو کافی حد تک ریلیف ملا، اسی طرح گلگت بلتستان کے حوالے سے بھی ذوالفقار علی بھٹو کا دور انتہائی اصلاحاتی اور انقلابی رہا۔ 16 نومبر 1947ء سے لے کر 20 دسمبر 1971ء تک گلگت بلتستان میں جس احساس محرومی نے جنم لیا تھا بھٹو نے اپنی اصلاحات اور انقلابی اقدام کے ذریعے کسی حد تک ان محرومیوں کا ازالہ کرنے کی کوشش کی، یہی وجہ ہے کہ گلگت بلتستان کے لوگ آج بھی ذوالفقار علی بھٹو کو اپنا ہیرو مانتے ہیں۔

ذوالفقار علی بھٹو کی نظریں خطے پر اس وقت سے لگی ہوئی تھیں جب 1963ء میں پاکستان اور چین کے مابین گلگت بلتستان اور چین کے صوبے سنکیانگ کے درمیان اقصائی چن کے درمیان سرحدی علاقوں کے تنازعے کو حل کرنے کے لیے معاہدہ ہوا۔ ذوالفقار علی بھٹو پاکستان کے وزیر خارجہ تھے اور پاکستان کی جانب سے انہوں نے ہی اس معاہدے میں سائن کیا، خطے سے گزرتے ان کی نظر گلگت بلتستان پر پڑی اور انہیں خطے کی تاریخی، جغرافیائی، سیاسی، سماجی، زرعی، معدنی اور اقتصادی اہمیت کا اندازہ ہوا۔ ذوالفقار علی بھٹو نے ایوب خان کے دور ہی میں بعض اقدام کی تجویز دی، جس پر کلی طور پر عملدرآمد نہیں ہوا تاہم بھٹو ایوب خان سے الگ ہوئے اور تقریباً 2 سال تک حکومت کے خلاف احتجاجی تحریک چلانے میں کامیاب ہوئے، اسی احتجاجی تحریک کے نتیجے میں ملک میں ایوب خان کے اقتدار کا خاتمہ ہوا۔

سقوط ڈھاکہ کے بعد جب ذوالفقار علی بھٹو نے ملک میں اقتدار سنبھالا، انہوں نے بڑے پیمانے پر اصلاحات کا آغاز کیا، جن میں انتظامی، عدالتی، زرعی، سماجی، قانونی، آئینی اور دیگر اصلاحات شامل ہیں، جن کا مقصد ایک طرف

لوگوں کے احساس محرومی کا خاتمہ کر کے انہیں اپنائیت کا احساس دلانا، دوسری طرف تنازع کشمیر کے حوالے سے خطے کے عوام میں پائے جانے والے خدشات کو دور کر کے پاکستان کی پوزیشن کو مضبوط اور مستحکم کرنا تھا، جبکہ تیسری طرف گلگت بلتستان کو پاک چین دوستی کے حوالے سے استعمال کرنا بھی شامل تھا۔ 1947ء سے 1970ء تک خطے کے عوام میں بڑی مایوسی پائی جاتی تھی، جس میں بتدریج اضافہ ہوا۔ جب 1970ء میں آزاد کشمیر کے لیے نیا انتظامی سیٹ اپ دے کر باقاعدہ قانون ساز اسمبلی کا قیام عمل میں لایا گیا تو اس وقت خطے کے عوام میں پائی جانے والی مایوسی ناامیدی میں تبدیل ہونے جارہی تھی، کیونکہ جس طرح آزاد کشمیر اور مقبوضہ کشمیر تنازع کشمیر کا حصہ ہے، اسی طرح گلگت بلتستان بھی اس کا فریق ہے۔ اول الذکر دونوں فریقوں میں مکمل نیم خود مختار انتظامی، عدالتی نظام موجود تھا، جس کی وجہ سے مقامی لوگوں کے بنیادی مسائل حل ہورہے تھے، مگر گلگت بلتستان ان تمام اختیار سے کلی طور پر محروم رہا اور یہاں کے لاکھوں لوگوں کو ایک پولیٹیکل ایجنٹ یا ریزیڈنٹ ایجنٹ کے حوالے کیا جاتا تھا، جس کے پاس انتظامی، عدالتی سمیت دیگر تمام اختیارات تھے۔

1970ء میں جب آزاد کشمیر اسمبلی کے قیام کے بعد اس میں گلگت بلتستان کو نمائندگی نہیں دی گئی تو لوگوں کی مایوسی، نفرت اور بعض ازاں اس کی کیفیت بغاوت کی سی ہوگئی تھی۔ اس دوران بنیادی انسانی حقوق کے حوالے سے مقامی نوجوانوں نے بڑے پیمانے پر کوششیں کیں۔ اس ضمن میں درجنوں افراد کو قید و بند کی صعوبتیں کا سامنا کرنا پڑا، جبکہ جموں و کشمیر محض رائے شماری کے ذریعے ہفتہ گلگت بلتستان منانے کے علاوہ گلگت بلتستان میں آزاد کشمیر کے بعض رہنماؤں اور خطے کے مقامی لوگوں کی ایک بڑی تعداد نے کر احتجاجی مظاہرے بھی کیے۔ اس دوران متعدد افراد کو گرفتار کر کے انہیں سخت سزائیں بھی دی گئیں اور بعضوں کو کئی سال تک قید رکھا گیا، بعد ازاں ان سب کو رہائی ملی۔

ذوالفقار علی بھٹو خطے کے حالات سے باخبر تھے اور شاید انہوں نے اس محرومی کو محسوس کیا تھا۔ ملک کے مختلف مسائل کے حل کے بعد انہوں نے اپنی توجہ ایک مرتبہ پھر گلگت بلتستان کی طرف کی۔ 21 اگست 1972ء کو صدر پاکستان کی حیثیت سے ذوالفقار علی بھٹو نے علاقے کا تفصیلی دورہ کیا، جس میں انہوں نے کئی علاقوں میں جا کر خود حالات کا مشاہدہ کیا اور مسائل سے آگاہی حاصل کی۔ اس دوران انہوں نے خطے میں انتظامی عدالتی سیاسی مالیاتی زرعی اصلاحات کے ذریعے ہمہ گیر تبدیلیوں کی بنیاد رکھی اور گلگت بلتستان میں سیاسی تنظیموں کے قیام کی اجازت دی، کیونکہ ایوب خان کے مارشل لاء کے دوران لگنے والی پابندی اب بھی موجود تھی۔ ذوالفقار علی بھٹو کی ان انقلابی تبدیلیوں نے واقعی خطے کے عوام کو امید دی۔

انگریز نے 1842ء اور 1846ء میں جب کشمیر کو 75 لاکھ نانک شاہی میں خریدا تھا۔ دو سال کے اندر اندر مہاراجہ

نے گلگت پر بھی قبضہ کیا، تاہم 1889ء میں انگریز نے ایک مرتبہ پھر مہاراجہ سے گلگت کی پٹی لے کر وہاں پر ایجنسی نظام قائم کیا اور پولیٹکل ایجنٹ اور پولیٹیکل ریزیڈنٹ کو سیاہ وسفید کا مالک بنا دیا۔ اگست 1947ء سے 31 اکتوبر 1947ء تک کے درمیانی دور کے علاوہ انگریز کا ایجنسی نظام 1972ء تک گلگت بلتستان میں قائم رہا۔ اگرچہ 1947ء میں خطے کے لوگوں نے آزادی کے ذریعے اس نظام کو کلی طور پر مسترد کر دیا تھا مگر 16 نومبر 1947ء کو پاکستانی نمایندے سردار عالم خان نے ایک مرتبہ پھر انگریز کے اس نظام کو رائج کیا۔ ذوالفقار علی بھٹو نے اپنے انقلابی اقدام اور اصلاحات کے ذریعے سب سے پہلے اس ایجنسی نظام کا خاتمہ کیا تاکہ لوگوں کو ایک فردِ واحد کے چنگل سے آزاد کر کے ان کو ایک نظام دیا جائے، کیونکہ خطے کے عوام ایجنسی نظام اور اس کے ذریعہ بننے والے حکمرانوں سے سخت نالاں تھے، جس کا نتیجہ پاکستان کے حوالے سے شدید تحفظات، خدشات اور شکایات کی صورت میں نکلتا تھا۔

خطے میں پولیٹکل ایجنٹ اسسٹنٹ پولیٹکل ایجنٹ اور پولیٹیکل ریزیڈنٹ کی حیثیت سے خدمات سرانجام دینے والے افراد میں سے بیشتر نے مقامی لوگوں کی محرومیوں کا ازالہ کرنے، ان کے مسائل کو سمجھنے اور حل کرنے کی کوشش کی بجائے وائسرائے اور مطلق العنان حکمران بن کر خطے کے عوام کو غلام بنانے کی کوشش کی۔ یہی وجہ ہے کہ ان پولیٹیکل ایجنٹوں یا نمایندوں کے حوالے سے خطے کے عوام میں شدید نفرت پائی جاتی تھی۔ اگرچہ سخت پابندیوں اور دیگر مسائل کی وجہ سے بھرپور احتجاج کی صورت میں کوئی تحریک نہیں چلی تاہم جب ہم 16 نومبر 1947ء سے 2009ء تک مختلف ادوار کا مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے خطے میں حقوق کے لیے آواز اٹھتی رہی ہے اور غالباً یہی وجہ تھی کہ 60ء کی دہائی میں خطے کے عوام کے شدید احتجاج پر ایک آٹھ رکنی مشاورتی کونسل قائم کر کے لوگوں کو مطمئن کرنے کی کوشش کی گئی جس میں سے چار گلگت ایجنسی اور بلتستان ایجنسی کے ممبران تھے۔ خطے کا یہ سب سے بڑا پہلا عوامی فورم تھا اور اس فورم کو شمالی علاقہ جات مشاورتی کونسل کا نام دیا گیا اور مختلف مراحل سے گزر کر یہ کونسل اب گلگت بلتستان قانون ساز اسمبلی کا روپ دھار چکی ہے تاہم اس کے اختیارات پر آج بھی سوالیہ نشان ہے۔

(جاری ہے)

گلگت بلتستان کی داخلی خودمختاری اور اصل حقائق (25)

عبدالجبار ناصر

ذوالفقار علی بھٹو کے 21 اگست 1972ء کو صدر پاکستان کی حیثیت سے گلگت بلتستان کے دورے کے دوران اعلان کردہ اصلاحات کا وقتاً فوقتاً سرکاری اعلامیہ جاری ہوتا رہا، انہوں نے پہلا کام ایجنسی نظام کا خاتمہ کر کے کیا۔ پولیٹیکل ریذیڈنٹ اور پولیٹیکل ایجنٹ کے عہدوں کو تبدیل کر کے بالترتیب ریذیڈنٹ، کمشنر اور ڈپٹی کمشنر کے عہدوں میں تبدیل کیا، جبکہ ریاست نگر، پونیال، گوپس، غذر، اشکومن، یاسین کے راج واڑوں کے خاتمے کا اعلان کیا۔ نگر کی ریاست کو ختم کر کے ضلع گلگت میں ضم کر دیا گیا، جبکہ ضلع گلگت کی تین تحصیلوں استور، داریل، تانگیر اور چلاس پر مشتمل ایک نیا ضلع دیامر کے نام سے قائم کیا گیا۔ اس کا باقاعدہ اعلان دسمبر 1972ء میں ہوا۔ اس طرح خطے میں اضلاع کی تعداد 2 سے بڑھ کر تین ہوگئی، جن میں گلگت، دیامر اور بلتستان شامل ہیں۔ ان کے ہیڈکوارٹر بالترتیب گلگت، چلاس اور سکردو قرار پائے۔ بھٹو کی ان اصلاحات کے نتیجے میں دسمبر 1974ء میں ریاست ہنزہ کی امتیازی حیثیت کا خاتمہ کر کے یہاں ایک ایڈیشنل ڈپٹی کمشنر تعینات کیا گیا، جبکہ ریاست ہنزہ کو باقاعدہ طور پر گلگت میں ضم کر دیا گیا۔ ریاست کے خاتمے کے بعد میروں، راجاؤں، گورنروں اور ان کے تعینات کردہ انتظامی، عدالتی، مالیاتی اور دیگر تمام عہدیداروں کے اختیارات ختم کر دیے گئے، جس کے باعث ان کا سابق جاہ وجلال، کروفر اور شان وشوکت نہیں رہی۔ ان ریاستوں کے خاتمے کے بعد مقامی لوگوں کی ایک بڑی تعداد نے سکھ کا سانس لیا، کیونکہ بعض مقامات پر میروں کے تعینات کردہ اہلکار مقامی لوگوں پر بے انتہا ظلم کرتے تھے۔

1974ء میں ہی ذوالفقار علی بھٹو نے اصلاحات کے ذریعے خطے میں دو مزید انتظامی یونٹوں کا اضافہ کیا۔ اس طرح اضلاع کی تعداد 3 سے بڑھ کر 5 ہوگئی۔ ضلع سکردو کے سب ڈویژن خپلو اور کھرمنگ کو ملا کر ایک ضلع بنایا گیا، جس کا نام گنگچھے رکھا گیا۔ اسی طرح پونیال، گوپس، یاسین اور اشکومن کے مختلف علاقوں پر مشتمل ضلع غذر قائم کیا گیا۔ ذوالفقار علی بھٹو کے اس اقدام کے مقامی لوگوں کو بڑا فائدہ ہوا، کیونکہ چھوٹے چھوٹے معاملات کے لیے انہیں سینکڑوں میل کا سفر کرنا پڑتا تھا، نئے اضلاع کے قیام سے لوگوں کی مشکلات کسی حد تک کم ہوئیں اور انصاف کے تقاضوں کو بھی مدنظر رکھا گیا۔

ذوالفقار علی بھٹو کی اصلاحات کے نتیجے میں جہاں خطے کے مختلف علاقوں میں قائم راجگی نظام ختم کیا گیا وہیں رسوائے زمانہ ''بیگار نظام'' کے خاتمے کا اعلان بھی کیا گیا۔ ''بیگار نظام'' کے تحت مقامی حکمران مسلح افواج، سول فورسز کے اہلکار جب چاہتے مقامی لوگوں سے کام لیتے اور انہیں اس کی اجرت بھی نہیں دیتے۔ بعض علاقوں میں لوگوں کی

زندگی زرخرید غلاموں کی طرح تھی اور بعض علاقوں میں اگر چہ نظام اس کا نہیں تھا تاہم لوگوں کو سخت پریشان کیا جاتا۔ اس ضمن میں سینکڑوں افراد اپنی جانوں جبکہ ہزاروں افراد اپنے اعضا سے محروم ہو چکے۔ ایک فوجی یا کوئی سرکاری افسر اپنے چند کلو سامان کو اٹھانے کے لیے نصف درجن کے قریب لوگوں کو بیگار کے لیے لے جاتا تھا۔ 16 جون 1972ء کو اس نظام کے خاتمے کا باقاعدہ سرکاری اعلامیہ جاری کیا گیا۔ اگر چہ ذوالفقار علی بھٹو نے گلگت بلتستان کا دورہ 21 اگست 1972ء کو کیا تاہم خطے کے حوالے سے کئی اہم فیصلے انہوں نے پہلے ہی کیے تھے، جس میں ''بیگار نظام'' کا خاتمہ انتہائی اہمیت کا حامل تھا۔

16 جون 1972ء کو بیگار نظام کے خاتمے کے حوالے سے جاری ہونے والے سرکاری اعلامیہ میں بتایا گیا کہ ''چونکہ بیگاری نظام ظالمانہ، جاگیردارانہ نظام کی بدترین یادگار ہے اور شمالی علاقہ جات بالخصوص ریاست ہائے ہنزہ ونگر اور پولیٹکل علاقہ جات پونیال، اشکومن، گوپس اور یاسین میں رائج ہے، اس لیے سرکاری اعلامیہ کے اجراء کے ساتھ ہی ان علاقوں میں بیگار نظام کو ممنوع قرار دیا جاتا ہے اور جو کوئی اس حکم کی خلاف ورزی کرے گا وہ ایک یا دونوں قسم کی سزا کا مستوجب ہوگا۔ یہ سزا زیادہ سے زیادہ 2 سال قید اور 5 ہزار روپے جرمانے کی صورت میں دی جائے گی۔''

سرکاری اعلامیہ کے اجراء کے بعد پورے خطے سے ''بیگار نظام'' کا کلی طور پر خاتمہ ہوا، اگر چہ یہ نظام ڈیڑھ سو سال سے رائج تھا، تاہم 1947ء کے بعد اس میں شدت آئی تھی جس کی وجہ سے پاکستان کے حکام کے خلاف لوگوں میں نفرت کا اضافہ ہو رہا تھا، جو مجموعی طور پر پاکستانی قوم اور ملکی سلامتی اور بقا کے لیے کسی بھی طرح مناسب نہیں تھا۔ مختلف ذرائع سے حاصل کردہ معلومات کے مطابق 1948ء میں کشمیر کی وادی گریز میں انقلابیوں اور پاکستانی فوجیوں کی شکست کی ایک بڑی وجہ بھی یہی نظام بنا تھا، کیونکہ لوگوں کو بیگار کے لیے لیتے وقت مقامی معززین تک کو نہیں چھوڑا گیا، جس کی وجہ سے لوگ مشتعل ہوئے اور بعضوں نے یہاں تک کہا کہ اگر یہی مسلمان ہیں تو پھر ہمارے لیے سکھ راجہ ہی بہتر تھا۔ کہا جاتا ہے کہ تراگبل کے مقام پر ہونے والی بغاوت بھی اسی وجہ سے ہوئی، ورنہ آج کشن گنگا، ولر بیراج کے علاوہ کرگل کے بہت سارے علاقے ہمارے قبضے میں ہوتے اور پاکستان پانی کے لیے بھارت کا محتاج نہ ہوتا۔

گلگت بلتستان کا اکثر علاقہ پتھریلا ہے، جس کے باعث اکثر علاقوں میں ایک سے زائد فصلیں نہیں ہوتی ہیں، اگر چہ معدنیات اور دیگر قدرتی وسائل سے یہ خطہ مالا مال ہے، تاہم زراعت کے لیے زیادہ مناسب نہیں۔ جس کی وجہ سے خطے کے لوگوں کو اکثر غذائی قلت کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ مہاراجہ کے دور میں مقامی لوگ غذائی اجناس سرینگر اور کشمیر کے دیگر علاقوں سے حاصل کرتے تھے، انقلاب کے بعد راستے مسدود ہونے اور پاکستان کے قریب ترین علاقوں تک کا فاصلہ زیادہ لمبا ہونے کے باعث غذائی قلت کا سامنا تھا، ذوالفقار علی بھٹو نے اس کو محسوس کرتے ہوئے خطہ کے عوام

کے لیے مخصوص کوٹے کا اعلان کیا، جس کے ذریعے گندم، چینی، گھی اور نمک گھر کے افراد کے حساب سے رعایتی نرخوں پر فراہم کیا جانے لگا۔ چینی اور گھی کی فراہمی بعدازاں 80ء کی دہائی میں روک دی گئی تاہم گندم اور نمک کی فراہمی آج بھی جاری ہے، یہی وجہ ہے کہ گلگت بلتستان میں آج بھی حکومت عوام کو 320 سے 340 روپے تک گندم کی بوری فراہم کرتی ہے، جبکہ پاکستان میں یہی بوری 950 روپے کی ہے۔ اس گندم کے لیے حکومت سبسڈی دینے کے علاوہ سفری اخراجات بھی برداشت کرتی ہے۔

ذوالفقار علی بھٹو نے ان اقدام کے ذریعے مقامی لوگوں کا دل جیت لیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ذوالفقار علی بھٹو کی پھانسی کے وقت گلگت بلتستان کا شاید ہی کوئی ایسا شخص ہو جو اشکبار نہ ہوا ہو۔ اس حوالے سے ایک مثال ہی کافی ہے۔ جب بھٹو کو پھانسی دی گئی تو راقم اپنی تائی (زوجۂ عبداللہ ناصر ولد عبدالرحیم ناصر، والدہ قاری عزیز الرحمٰن ناصر) کے پاس تھا۔ بھٹو کی پھانسی کی اطلاع ملتے ہی مرحومہ تائی پھوٹ پھوٹ کے رونے لگی، اگرچہ وہ سو فیصد گھریلو اور دیہاتی خاتون تھی۔ اس کا اس انداز میں رونا کئی لوگوں کے لیے ایک تعجب کی بات تھی۔ معلوم کرنے پر مرحومہ نے بھٹو کی دیگر اصلاحات کے علاوہ بالخصوص بیگار نظام کے خاتمے اور غذائی اجناس میں ریلیف کا ذکر کرتے ہوئے بھٹو کو عظیم عوامی رہنما قرار دیا۔ یہی حال اس خطے کے تقریباً ہر شخص کا تھا۔

(جاری ہے)

گلگت بلتستان کی داخلی خودمختاری اور اصل حقائق (26)

عبدالجبار ناصر

ذوالفقار علی بھٹو نے گلگت بلتستان میں اپنے پونے 6 سالہ دور میں جو اصلاحات کیں، ان میں عدالتی اصلاحات بھی شامل تھیں۔ انہوں نے خطے میں انگریز کا نافذ کردہ کالا اور انسان دشمن قانون ''فرنٹیئر کرائمز ریگولیشن'' (ایف سی آر) کے خاتمے کا اعلان کر کے نئی عدالتی پالیسی کا اعلان کیا، جس کے مطابق نچلی سطح پر ججوں اور جوڈیشل مجسٹریٹ کی تقرریاں کی گئیں اور پاکستان کے عام قوانین کا نفاذ کا اعلان کیا گیا۔ ایف سی آر کے حوالے سے خطے کے عوام میں شدید نفرت پائی جاتی تھی، کیونکہ اس قانون کے تحت پولیٹکل ایجنٹ یا ریزیڈنٹ کے پاس انتظامیہ کے سربراہ کے علاوہ عدالتی سربراہ کے اختیارات بھی تھے، جس کی وجہ سے انتظامی معاملات کو کنٹرول کرنے کے لیے ریزیڈنٹ، پولیٹکل ایجنٹ یا ان کے نامزد کردہ اہلکار ایف سی آر کے تحت عدالتی اختیارات استعمال کر کے لوگوں کو سخت سزائیں دیتے تھے اور بعض اوقات لوگوں کو کئی کئی سال تک بغیر کسی جرم کے قید رکھا جاتا تھا، بالخصوص مقامی سطح پر خطے کے حقوق کے لیے آواز اٹھانے والی سماجی شخصیات کو دبانے کے لیے ایف سی آر کے کالے قانون کا بہت زیادہ استعمال ہوا۔ اس قانون کے تحت سینکڑوں سیاسی کارکن گرفتار اور درجنوں کو جلاوطن بھی کیا گیا۔ اس حوالے سے دو واقعات انتہائی اہم تھے، جن کی وجہ سے گلگت و استور کے عوام نے جیلیں توڑ کر اپنے قائدین کو رہا کرایا۔

پہلے واقعہ 1949ء کے بعد پیش آیا، جب مسلم کانفرنس کے رہنما چودھری غلام عباس نے گلگت بلتستان کے دورے کے دوران گلگت، سکردو اور استور میں مسلم کانفرنس کی شاخیں قائم کر کے بالترتیب غلام محمد گون اور جوہر علی خان ایڈووکیٹ، وزیر غلام مہدی اور پیرزادہ محمد عالم کو ان شاخوں کا سربراہ مقرر کیا، جس کے بعد یہ رہنما اور ان کے ساتھی انتہائی سرگرم ہوئے۔ اس وقت کے پولیٹکل ایجنٹ سردار عالم خان کو یہ انتہائی ناگوار گزرا۔ انہوں نے ایسے حالات پیدا کیے، جن کی وجہ سے چودھری غلام عباس کو اپنا دورہ گلگت بلتستان مختصر کر کے فوری طور پر آزاد کشمیر کا رخ کرنا پڑا۔ تمام رہنماؤں کو سیاسی سرگرمیوں سے باز رکھنے کی حتی الامکان کوشش کی گئی۔ انہی کوششوں کی بنا پر پیرزادہ محمد عالم، غلام محمد گون، جوہر علی خان ایڈووکیٹ اور وزیر غلام مہدی پر جھوٹے مقدمے بنائے گئے۔ غلام محمد گون اور جوہر علی کو ایک عرصے تک خطے سے باہر رہنا پڑا، جبکہ پیرزادہ محمد عالم کو استور میں گرفتار کیا گیا۔ ان کی گرفتاری پر استور کے عوام انتہائی مشتعل ہوئے اور حوالات کو توڑ کر انہیں رہا کیا، حکومت نے عوام کے اشتعال کو دیکھ کر دوبارہ انہیں گرفتار کرنے کی جرأت نہیں کی، تاہم پیرزادہ محمد عالم کو مسلسل دباؤ میں رکھا گیا، جس کی وجہ سے وہ سیاست چھوڑ کر ملازمت اختیار کرنے پر مجبور ہوئے۔

دوسرا واقعہ جنوری 1971ء میں پیش آیا، جس میں گلگت کے عوام نے اپنے درجنوں رہنماؤں کو گلگت کی جیل توڑ کر رہا کیا۔ 27 نومبر 1970ء کو محاذ رائے شماری جموں و کشمیر کے تحت گلگت بلتستان میں موجودہ جموں و کشمیر لبریشن فرنٹ کے سربراہ امان اللہ خان، مقبول بٹ شہید، میر عبدالمنان، پیرزادہ غلام مصطفیٰ علوی دامت برکاتہم اور جی ایم میر کے علاوہ گلگت بلتستان کے نوجوان قوم پرست رہنما اور سابق پولیس آفیسر امیر حمزہ اور دیگر رہنماؤں نے گلگت میں احتجاج کیا، جو آزاد کشمیر اسمبلی میں گلگت بلتستان کے لیے نشستیں مختص نہ کرنے کے خلاف تھا۔ اس احتجاج کی پاداش میں تمام رہنماؤں کو گرفتار کیا گیا۔ ان میں سے بیشتر افراد گلگت جیل میں قید کیے گئے، جبکہ ایک بڑی تعداد کو گلگت بدر کر دیا گیا۔ یہ وہ دور تھا جب گلگت میں نئی سیاسی تنظیم ملت کا قیام بھی عمل میں آچکا تھا، جس کے سربراہ جوہر علی خان ایڈووکیٹ اور جنرل سیکریٹری سعید احمد ایڈووکیٹ تھے۔ گلگت بلتستان میں ان سیاسی قیدیوں کے حوالے سے چہ میگوئیاں جاری تھیں کہ جنوری 1971ء کے شروع میں ایک افسوس ناک واقعہ پیش آیا۔ ایک فوجی افسر کی بیوی نے ایک مقامی شخص کی بیوہ کے ساتھ بدتمیزی کی۔ بیوہ لڑکیوں کے ایک اسکول کی ہیڈ مسٹریس تھیں اور اپنے شوہر کی مثالی خدمات اور ذاتی اخلاق اور قابلیت کی وجہ سے ہردلعزیز تھیں۔ جب عوام کو ان کے ساتھ میجر یونس کی بیوی کی بدتمیزی کا علم ہوا تو انہوں نے شدید احتجاج کیا۔ حکومت نے اس احتجاج کو دبانے کے لیے درجنوں افراد کو گرفتار کر لیا، جن میں ایک بڑی تعداد وکلاء کی بھی تھی۔ جس کے اگلے ہی روز عوام نے لاٹھیوں، کلہاڑیوں اور پتھروں سے جیل پر حملہ بول دیا اور جیل کا دروازہ توڑ کر پہلے سے قید امان اللہ خان اور ان کے ساتھیوں کے علاوہ نئے قیدیوں کو بھی رہا کرا کے اپنے کندھوں پر اٹھایا اور شہر کا چکر لگایا۔ اس دوران گلگت بلتستان کے حاکم ریزیڈنٹ اے آر صدیقی تھے، جنہوں نے گلگت اسکاؤٹ کو جلوس پر گولی چلانے کا حکم دیا لیکن گلگت اسکاؤٹ نے ایسا کرنے کی بجائے صرف ہوائی فائرنگ کی، جس پر ریزیڈنٹ نے ایک سپاہی سے رائفل چھین کر خود جلوس پر فائر کیے، جس سے ایک شخص رجب علی جاں بحق ہوا، جبکہ استور سے تعلق رکھنے والے معروف سماجی و سیاسی رہنما عبدالرحمٰن لون (ناصر) سمیت 17 افراد زخمی ہوئے۔ عوام نے اس فائرنگ کے باوجود احتجاج ختم نہیں کیا، بلکہ اس میں اور شدت آگئی۔ مختلف مصنفین کے مطابق احتجاج کرنے والوں کی تعداد پانچ ہزار سے زائد تھی اور اس زمانے میں جب ایف سی آر جیسا کالا قانون نافذ تھا اور سیاسی سرگرمیوں پر مکمل پابندی تھی، اتنی بڑی تعداد کا جمع ہونا ایک بڑا واقعہ تھا۔

حکومت نے لاؤڈ اسپیکر کے ذریعے اعلان کیا کہ جو شخص جیل توڑ کر رہا کیے گئے رہنماؤں کو پناہ دے گا، انہیں سخت سزا دی جائے گی، جبکہ ان رہنماؤں کی دوبارہ گرفتاری کے لیے گھر گھر تلاشی کا سلسلہ شروع کر دیا گیا اور بڑے پیمانے پر گرفتاریاں ہوئیں، تاہم جب صورت حال خراب ہوئی اور ریزیڈنٹ کی زیادتیاں بڑھ گئیں تو روپوش رہنماؤں نے

گرفتاری دینے کا فیصلہ کرلیا۔

حوالات اور جیل توڑنے کے ان دو واقعات نے خطے کی سیاست کا رخ تبدیل کردیا اور ایف سی آر سے عوام کی نفرت بغاوت کی شکل اختیار کرگئی۔ ذوالفقار علی بھٹو نے اس کو شدت سے محسوس کیا اور بالآخر 1972ء میں اس کالے قانون کے خاتمے کا اعلان کر کے نئی اصلاحات تجویز کی گئیں۔ خطے کی قانونی پوزیشن کے مدنظر ایف سی آر کا خاتمہ مختلف مراحل میں کیا گیا اور یہ عمل مارچ 1973ء کو مکمل ہوا۔ 11 اپریل 1973ء کا دن خطے کے لیے اہم ترین دن ہے، کیونکہ ذوالفقار علی بھٹو نے صدر پاکستان کی حیثیت سے خطے میں پہلی بار جوڈیشل کمشنر کی نئی اسامی کی منظوری دی اور 30 نومبر 1973ء کو پاکستان میں رائج عدالتی قانونی ریفارمز کا نفاذ کیا، جس میں مسلم پرسنل لاء، تعزیرات پاکستان، مجموعہ ضابطہ فوجداری، ضابطۂ دیوانی، ایک شہادت، جموں وکشمیر لینڈ ریونیو ایکٹ، ٹیلی گراف ایکٹ، موٹر ویکل آرڈیننس، جموں وکشمیر ٹیننسی ایکٹ، پبلک سیفٹی ایکٹ اور آفیشل سیکرٹ ایکٹ سمیت دیگر اہم قوانین کا نفاذ کیا گیا۔

(جاری ہے)

گلگت بلتستان کی داخلی خودمختاری اور اصل حقائق (27)

عبدالجبار ناصر

ذوالفقار علی بھٹو کی ان عدالتی اصلاحات کا عمل ان کی حکومت کے آخری دور تک جاری رہا۔ اس دوران جوڈیشل کمشنر ترقی کر کے ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج تک پہنچ گئے، جبکہ پانچوں اضلاع میں سول جج مقرر کیے گئے اور ذوالفقار علی بھٹو کی انہی اصلاحات کے نتیجے میں پہلی مرتبہ گلگت بلتستان میں عدلیہ اور انتظامیہ کے اختیارات الگ الگ کیے گئے، جس سے کسی حد تک عوام کو ریلیف ملا۔ ذوالفقار علی بھٹو نے عدالتی اصلاحات کے علاوہ زرعی اصلاحات بھی کیں، جبکہ سماجی اور اقتصادی ترقی کے لیے خصوصی فنڈ جاری کیے۔ خطے کے نوجوانوں کو ملازمت کی بہتر سہولیات فراہم کرنے کے لیے بڑے پیمانے پر کام کیا۔ اسی دوران انہوں نے پہلی بار آٹھ مارچ 1974ء کو حکومت کی معاونت سے ناردرن ایریاز ٹرانسپورٹ کارپوریشن قائم کیا۔

ذوالفقار علی بھٹو کا 20 دسمبر 1971ء سے 4 جولائی 1977ء کا دور خطے کے حوالے سے انتہائی اہم رہا۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ آج بھی بھٹو کے دور کو انقلابی، تاریخی اور عوامی دور قرار دیتے ہیں، تاہم ذوالفقار علی بھٹو نے خطے کا نام تبدیل کر کے عوام کی امنگوں کے خلاف اقدام کیا، جس کے منفی اثرات نہ صرف گلگت بلتستان پر مرتب ہوئے بلکہ پاکستان کو بھی بڑے پیمانے پر اس کا نقصان برداشت کرنا پڑا۔ ذوالفقار علی بھٹو کی 1972ء کی اصلاحات تک خطے کو گلگت بلتستان کے نام سے ہی پکارا اور لکھا جاتا تھا، ذوالفقار علی بھٹو نے اپنی اصلاحات کے ذریعے گلگت بلتستان کی بجائے خطے کے لیے "شمالی علاقہ جات" جیسا متنازع اور مجہول نام تجویز کیا، جس کی وجہ سے خطے کو تاریخی اور تہذیبی اور سیاحتی حوالے سے سخت نقصان برداشت کرنا پڑا۔ عوام نے اس پر شدید ردعمل کا اظہار کیا اور 1972ء سے 2009ء تک اپنی شناخت کے لیے خطے کے ہر فرد نے اپنی سطح پر مضبوط کردار ادا کیا، اگرچہ خطے کے نام کے حوالے سے مختلف سیاسی جماعتوں، قوم پرست اور سماجی تنظیموں میں بڑی حد تک اختلافات پائے جاتے تھے تاہم "گلگت بلتستان" کے نام پر تقریباً سب کا ہی اتفاق تھا اور اس ضمن میں 2007ء میں گلگت بلتستان کی قانون ساز کونسل نے عوام سے آراء طلب کیں جن کی روشنی میں نام کے حوالے سے سفارشات مرتب کی گئیں اور بالآخر قانون ساز اسمبلی کی کمیٹی گلگت بلتستان کے نام پر متفق ہوئی اور بعدازاں کمیٹی کی سفارشات کو قانون ساز اسمبلی میں پیش کیا گیا، جس کی منظوری حاصل کی گئی۔

حکومت پاکستان کی جانب سے 9 ستمبر 2009ء کو گلگت بلتستان کے لیے جاری کیے گئے اصلاحاتی پیکیج میں پیپلز پارٹی کی حکومت نے انہی سفارشات کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک مرتبہ پھر خطے کے اصل اور مروجہ نام "گلگت بلتستان" کو بحال کیا۔ خطے کے عوام نے ذوالفقار علی بھٹو کی جانب سے نام کی تبدیلی کو عملاً تسلیم نہیں کیا، اگرچہ سرکاری کاغذات میں

نادرن ایریاز کا لفظ استعمال ہوتا تھا تاہم خطے کے لوگ گلگت بلتستان ہی پکارتے تھے۔ ذوالفقار علی بھٹو نے اپنے دور میں سب سے بڑے عوامی فورم نادرن ایریاز مشاورتی کونسل کی تشکیل نو بھی کی، جس کی تفصیل آگے آئے گی۔

گلگت بلتستان کے پانچویں انتظامی دور کا آغاز پانچ جولائی 1977ء سے 23مارچ 1985ء تک رہا۔ یہ دور مارشل لا کا تھا۔ جنرل ضیاء الحق نے پاکستان میں پیپلز پارٹی اور قومی اتحاد کے مابین مذاکرات کی ناکامی کے بعد ملک میں مارشل لا کا نفاذ کر کے وزیر اعظم پاکستان ذوالفقار علی بھٹو کو گرفتار کیا اور آئین کو معطل کیا۔ انہوں نے اپنے دور میں گلگت بلتستان کو تاریخ میں پہلی مرتبہ مارشل لاء کے ایک نئے زون کے طور پر متعارف کرایا اور اس کو مارشل لاء کا پانچواں زون قرار دیا، تاہم مقامی مشاورتی کونسل اور بلدیاتی اداروں کو برقرار رکھا۔ جنرل ضیاء الحق نے اپنے دور میں مارشل لاء کا نفاذ گلگت بلتستان اور پاکستان کے دیگر علاقوں میں کیا، تاہم آزاد کشمیر میں ایسا نہیں کیا جس کی وجہ سے ایک مرتبہ پھر گلگت بلتستان کی قانونی اور آئینی پوزیشن سوالیہ نشان بن گئی۔ قبل ازیں 1972ء میں جب ذوالفقار علی بھٹو کے گلگت بلتستان کے دورے کے دوران مقامی لوگوں نے خطے کے صوبہ بنانے کا مطالبہ کیا تو ذوالفقار علی بھٹو نے اپنی تقریر میں اس کا جواب ان الفاظ میں دیا ''صوبے تاریخ بناتی ہے میں کیسے بناؤں؟'' جس پر مقامی پرقوم پرست رہنما جوہر علی ایڈووکیٹ نے کہا کہ صوبے کا قیام بھٹو کی مرضی کی بات نہیں بلکہ اہل گلگت بلتستان کے جمہوری اور آئینی حقوق کا مسئلہ ہے۔

ذوالفقار علی بھٹو خطے کی قانونی صورت حال سے باخبر تھے اور تنازع کشمیر کے حوالے سے پڑنے والے مثبت اور منفی اثرات سے بھی باخبر تھے، یہی وجہ ہے انہوں نے کوئی ایسا اقدام کرنے سے گریز کیا جس سے قانونی اور آئینی پوزیشن کے علاوہ تنازع کشمیر پر پاکستان کی پالیسی کو نقصان پہنچے، تاہم جنرل ضیاء الحق نے خطے کو مارشل لاء کا پانچواں زون قرار دے کر جہاں اس کی قانونی اور آئینی پوزیشن کو سوالیہ نشان بنا دیا وہیں بھارت کو کشمیر کے حوالے سے مزید اقدام کرنے پر مجبور کیا، کیونکہ مارشل لاء کا نفاذ صرف پاکستان کے آئینی حدود میں تھا، جبکہ گلگت بلتستان آئین کے آرٹیکل ایک کے تحت پاکستان کا حصہ نہیں، بلکہ تنازع کشمیر کا فریق ہے، جس کی وجہ سے پاکستان کے دیگر علاقوں کی طرح آزاد کشمیر اور گلگت بلتستان میں مارشل لاء اور حکومت کے دیگر اقدام کا کلی طور پر اطلاق نہیں ہوسکتا۔

سابق صدر جنرل ضیاء الحق نے ملک میں مارشل لاء کے نفاذ کے بعد متعدد مثبت اصلاحاتی اقدام کیے اور بعد ازاں انہوں نے ان کا دائرہ گلگت بلتستان تک بھی بڑھا دیا۔ انہوں نے تاریخ میں پہلی مرتبہ خطے کو مارشل لاء کا زون ''ای'' قرار دے کر ایف سی این اے کے کمانڈر کو اس کا نگران مقرر کر دیا اور اصلاحات کا خطے تک دائرہ بڑھا دیا۔ جنرل ضیاء الحق کو خطے کی جغرافیائی اور علاقائی اہمیت کا ادراک تھا، جس کی وجہ سے انہوں نے اس پر خصوصی توجہ دی۔ ان کے دور

میں اگرچہ خطے میں کئی ناخوشگوار واقعات پیش آئے تاہم مجموعی طور پر ایک فوجی حکمران کا یہ بہتر دور رہا۔ انہوں نے اسلامی قوانین کا دائرہ بھی خطے تک بڑھا دیا جبکہ عوام کی سہولت کے لیے بڑے پیمانے پر اقدام کیے۔

جنرل ضیاء الحق نے 24 ستمبر 1981ء کو پہلی مرتبہ پاکستان میں 350 رکنی مجلس شوریٰ قائم کی، جس میں گلگت بلتستان کے تین نمایندوں کو بھی شامل کیا، جن میں گلگت سے میر غضنفر علی خان، ضلع دیامر استور سے وزیر افلاطون اور بلتستان سے وزیر غلام مہدی شامل تھے۔ اس پر بھارت نے شدید احتجاج کیا، کیونکہ بھارت پاکستان کی مجلس شوریٰ میں خطے کی نمایندگی کو گلگت بلتستان کا پاکستان میں انضمام تصور کرتا تھا۔ بھارت کے احتجاج پر جنرل ضیاء الحق نے اس کا بھرپور جواب دیا اور کہا کہ حکومت پاکستان کے یہ اقدام صرف تنازع کشمیر کے حل تک کے لیے ہے، اس کا مقصد کسی خطے پر قبضہ کرنا نہیں۔ انہوں نے واشگاف الفاظ میں کہا کہ پاکستان کشمیر پر قبضہ کرنا چاہتا ہے اور نہ ہی وہ ریاست جموں وکشمیر میں شامل علاقوں کو اپنا حصہ تصور کرتا ہے۔ پاکستان کی خواہش صرف یہ ہے کہ اقوام متحدہ کی قراردادوں کے مطابق ریاست جموں وکشمیر کے لوگوں کو اپنی قسمت کا فیصلہ کرنے کا موقع دیا جائے۔ جنرل ضیاء الحق کے اس موقف کا بھارت کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔

(جاری ہے)

گلگت بلتستان کی داخلی خودمختاری اور اصل حقائق (28)

عبدالجبار ناصر

جنرل ضیاء الحق نے اپنے دور میں خطے میں ثقافتی ترقی کے لیے قراقرم ثقافتی کانفرنس کا انعقاد بھی کرایا، جبکہ بعض اقدام کے ذریعے انتظامی تبدیلیاں بھی کیں، جن میں 1978ء میں دو اضلاع غذر اور گنگچھے کو ختم کرنے کا اعلان بھی شامل تھا۔ ان کے خاتمے کی بنیادی وجہ مالی بوجھ بتایا گیا۔ ان اضلاع کا قیام ذوالفقار علی بھٹو نے کیا تھا، تاہم 4 سال میں کوئی مثبت کارکردگی سامنے نہیں آئی۔ 17 نومبر 1979ء کو حکومت پاکستان نے خطے کے لیے ریزیڈنٹ کمشنر کی اسامی کو کمشنر کے نام سے بدل دیا۔ اسی طرح انسپکٹر جنرل پولیس کی اسامی کو ڈپٹی جنرل پولیس آفیسر کے نام سے بدل دیا اور خطے کے تین اضلاع، 20 تحصیلوں، 62 چھوٹے انتظامی یونٹ اور 12 سب ڈویژنوں کو ایک سول ڈویژن میں ضم کر کے کمشنر کو اس کا سربراہ بنا دیا۔ 18 ستمبر 1979ء کے تحت کمشنر سے صوبائی حکومت کے تمام اختیارات واپس لے کر وزارت امور کشمیر ڈویژن کو سونپ دیے گئے، جس کی وجہ سے خطے کو بہت سارے مسائل کا سامنا کرنا پڑا۔

جنرل ضیاء الحق نے خطے کے لیے جو مثبت کام کیا، وہ بالا اختیارات کی سیکریٹریز کمیٹی کا قیام تھا۔ اس کمیٹی کے قیام کا بنیادی مقصد خطے کے مسائل، انتظامی ڈھانچے اور عوامی رائے کا جائزہ لے کر ان مسائل کے تدارک کے لیے سفارشات مرتب کرنا تھا۔ صدر پاکستان کی ہدایت پر 14 نومبر 1982ء کو کمیٹی قائم کر دی گئی، جس کے ارکان کی تعداد آٹھ تھی۔ کمیٹی کے چیئرمین سیکریٹری کیبنٹ ڈویژن ظہور آذر تھے، جبکہ اس کمیٹی کے سیکریٹری کیبنٹ ڈویژن کے ڈاکٹر امتیاز تھے۔ دیگر ممبران میں سید اجلال حیدر زیدی، سعید احمد قریشی کے علاوہ سیکریٹری خزانہ، سیکریٹری ترقی و منصوبہ بندی، ایڈیشنل سیکریٹری کوآپ اینڈ ڈویژن اور ایڈیشنل سیکریٹری داخلہ تھے۔ اس کمیٹی نے چونتیس نکاتی سفارشات مرتب کیں، جس کا پہلا نکتہ خطے کے لیے ایسا با اختیار با صلاحیت مقامی انتظامی ادارے کا قیام عمل میں لانا تھا، جو زیادہ سے زیادہ انتظامی اور ترقیاتی فیصلے مقامی طور پر کر سکے۔ اس کے علاوہ دیگر سفارشات میں بھی خطے کی ترقی کے حوالے سے تجاویز پیش کی گئی تھیں، ان میں بیشتر کا تعلق خطے کے ترقیاتی منصوبوں اور دیگر نجی مسائل کے حوالے سے تھا۔ تاہم خطے کی آئینی اور قانونی پوزیشن کی بہتری کے لیے اس کمیٹی نے کوئی اہم سفارش نہیں کی، اس کے باوجود کمیٹی کی سفارشات کو عوام نے سراہا، تاہم ان سفارشات پر کلی طور پر عمل نہیں ہوسکا اور اگر بعض نکات پر عمل بھی ہوا تو انہیں توڑ مروڑ کر بے جان بنا دیا گیا۔ کمیٹی کی سفارشات کی بنیاد پر خطے کے سب سے بڑے عوامی فورم ناردرن ایریاز کونسل کے مالیاتی اختیارات میں اضافہ کیا گیا، اسی طرح خطے کے لیے کئی اہم منصوبے شروع کیے گئے، جن میں مختلف شاہراہوں کی تعمیر کے علاوہ سدپارہ ڈیم کی تعمیر کا منصوبہ بھی شامل تھا۔

جنرل ضیاء الحق نے اپنے دور حکومت میں گلگت، سکردو، نگر اور استور میں مساجد بھی تعمیر کرائیں۔اس کے علاوہ انہوں نے خطے میں زکوٰۃ ایکٹ نافذ کر کے ایڈمنسٹریٹر کا تقرر بھی کیا۔اس سے اب تک ہزاروں مستحقین نے فائدہ اٹھایا۔انہوں نے ضیاء الحق کا تقریباً 11 سالہ دور حکومت خطے کے حوالے سے کافی اہم رہا اور ضیاء الحق نے آمر ہوتے ہوئے بھی ایوب خان کی طرح گلگت بلتستان پر خصوصی توجہ دی، کیونکہ وہ اس خطے کی اہمیت سے آگاہ تھے، تاہم ان کے دور میں 1988ء کے مذہبی فسادات اور 1984ء میں سیاچن پر بھارتی قبضہ خطے کے لیے بہت ہی نقصان دہ ثابت ہوا۔مذہبی فسادات کے باعث پیدا ہونے والی نفرتیں آج بھی جاری ہیں جبکہ سیاچن پر بھارتی قبضے کے بعد جہاں یہ خطہ اپنے ایک اہم ترین حصے سے محروم ہوا، وہیں سیاحت کی مد میں ملنے والے ایک کثیر زر مبادلہ سے بھی محروم ہوا۔ مزید یہ کہ بھارت کے مقابلے میں پاکستانی افواج کی دفاعی پوزیشن کمزور ہوئی اور اب دونوں ملکوں کو اپنی اپنی دفاعی پوزیشن کو برقرار رکھنے اور برف پوش پہاڑوں پر اپنی موجودگی ظاہر کرنے کے لیے سالانہ اربوں روپے کے اخراجات برداشت کرنے پڑتے ہیں۔

جنرل ضیاء الحق کا دور مجموعی طور پر دو حصوں میں تقسیم ہے۔ایک حصہ 5 جولائی 1977ء سے 23 مارچ 1985ء تک کا ہے، جس میں وہ پاکستان کے مطلق العنان حکمران تھے۔دوسرا دور 23 مارچ 1985ء سے 17 اگست 1988ء تک کا ہے۔ضیاء الحق نے تقریباً آٹھ سال بعد ملک میں پہلی بار پارلیمانی انتخابات فروری 1985ء میں کرائے، جس کے نتیجے میں قومی اسمبلی اور چاروں صوبائی اسمبلیاں وجود میں آئیں اور یہ انتخابات غیر جماعتی تھے۔غیر جماعتی انتخابات کے نتیجے میں منتخب ہونے والے ارکان نے کثرت رائے سے محمد خان جونیجو کو اپنا وزیر اعظم منتخب کیا، جنہوں نے 23 مارچ 1985ء کو اپنے عہدے کا چارج سنبھالا۔سول حکومت کے قیام کے بعد ضیاء الحق نے 31 دسمبر 1985ء کو ملک سے مارشل لا اٹھانے کا اعلان کیا۔

محمد خان جونیجو نے مارشل لا کے اٹھانے پر اپنے پانچ نکاتی پروگرام کا اعلان کیا، جس میں نظریہ پاکستان پر قائم مضبوط اسلامی جمہوری نظام کا قیام، معاشی مساوات اور عوامی خوشحالی و ترقی کے لیے بے روزگاری اور ناخواندگی کا خاتمہ اور قوم کی سائنسی ترقی کے لیے کوشش، رشوت، ناانصافی اور دیگر معاشرتی برائیوں کے انسداد جیسے نکات شامل تھے، انہوں نے قومی تشخص اور وقار کے تحفظ کے لیے مضبوط دفاع، غیر جانبدار اور متوازن خارجہ پالیسی پر عملدر آمد کا اعلان بھی کیا۔اس حوالے سے خصوصی منصوبہ بندی بھی کی گئی۔

جنرل ضیاء الحق کے تقریباً سوا گیارہ سالہ دور حکومت کو مجموعی طور پر دیکھا جائے تو پاکستان میں یہ دور افغان جنگ کے حوالے سے انتہائی اہم رہا ہے، غالباً یہی وجہ ہے کہ ضیاء الحق اور ان کے ساتھی چاہتے ہوئے بھی گلگت بلتستان کے

خطے میں کوئی بڑی انتظامی تبدیلی نہ لا سکے، تاہم انہوں نے معاشی ترقی کے لیے کئی اقدام کیے، جو قابل تحسین ہیں۔ ہم جب ماضی کے حکمرانوں کا جائزہ لیتے ہیں تو ذوالفقار علی بھٹو کے علاوہ علاقائی ترقی کے حوالے سے صدر ایوب خان، جنرل ضیاء الحق اور جنرل (ر) پرویز مشرف کے ادوار اہم نظر آ رہے ہیں، جبکہ سول حکومتوں میں جو مقام ذوالفقار علی بھٹو نے اپنی اصلاحات کے ذریعے حاصل کیا، اس کا اب تک کوئی جواب نہیں۔ اگرچہ بے نظیر بھٹو اور نواز شریف نے اپنے ادوار میں مختلف اقدام کیے تاہم یہ اقدام ذوالفقار علی بھٹو کے اقدام کے برابر کسی صورت نہیں بن سکے۔ یہی وجہ ہے پیپلز پارٹی کی قیادت آج بھی گلگت بلتستان میں بھٹو کے نام پر ہی سیاست کرتی ہے اور شاید آئندہ بھی اسی نام کو استعمال کیا جائے گا۔

(جاری ہے)

گلگت بلتستان کی داخلی خودمختاری اور اصل حقائق (29)

عبدالجبار ناصر

ایوب خان، ضیاء الحق اور پرویز مشرف تینوں آمر تھے جنہوں نے عوامی حکومتوں کو ختم کر کے اقتدار پر قبضہ کیا تاہم گلگت بلتستان کے حوالے سے ان تینوں کے اقدام قابل تحسین رہے ہیں البتہ پرویز مشرف نے جہاں پر گلگت بلتستان کی معاشی ترقی میں اہم کردار ادا کیا ہے وہاں پر انہوں نے اپنے کئی متنازعہ اقدام کے ذریعے خطے کی آئینی اور قانونی پوزیشن کو کمزور کرتے ہوئے خطے کے عوام کو مزید مشکلات سے دوچار کیا ہے۔ سیاسی ادوار کا جب مطالعہ کیا جاتا ہے تو مسلم لیگ ق کا دور گلگت بلتستان کے حوالے سے سب سے بدترین رہا کیونکہ 2002ء سے 2007ء تک مسلم لیگ ق کے چار وزرائے اعظم نے حکومت کی جن میں میر ظفر اللہ خان جمالی، چودھری شجاعت حسین، شوکت عزیز اور محمد میاں سومرو شامل تھے مگر ان چاروں میں سے کسی کو بھی گلگت بلتستان کا دورہ کر کے وہاں کے حالات کا جائزہ لینا اور عوامی فلاح کے لیے کام کرنے کی توفیق نہیں ہوئی۔

گلگت بلتستان کے چھٹے انتظامی دور کا آغاز 23 مارچ 1985ء سے شروع ہوتا ہے جب ملک میں ایک طویل مارشل لاء کے بعد انتخابات ہوئے اور حکومت کی باگ ڈور محمد خان جونیجو نے سنبھالی، اگرچہ ان کے دور میں کوئی بڑی انتظامی تبدیلی نہیں آئی تاہم معاشی ترقی کے حوالے سے انہوں نے دیانت داری اور اخلاص سے کام کیا۔ انہوں نے نئی روشنی اسکول سسٹم کا بھی آغاز کیا جس کے تحت ہزاروں بچے زیور تعلیم سے آراستہ ہوئے، ان کی حکومت بھی تقریباً افغان تنازعے میں پھنسی رہی۔ خطے کی معاشی ترقی کے حوالے سے درہ خنجراب کا افتتاح محمد خان جونیجو کی حکومت کا اہم قدم تھا۔ 15 اپریل 1986ء کو پاکستان اور چین کے درمیان معاہدہ ہوا جس کے مطابق دونوں ممالک سیاحوں کے گروپوں کے تبادلے پر رضامند ہوئے اور اسی معاہدے کے مطابق یکم مئی 1986ء کو درہ خنجراب ٹریفک کے لیے کھول دیا گیا۔ بعدازاں اس درے سے پاکستان اور چین کے مابین تجارتی سفر کا آغاز کیا گیا جس میں روز بروز ترقی ہو رہی ہے، اگر حکومت اس پر توجہ دے تو یہ معاشی ترقی کے حوالے سے پاکستان اور خطے کے دیگر ممالک کے لیے انتہائی اہم ثابت ہو سکتا ہے۔ غالباً امریکا اور دیگر سامراجی قوتوں کو پاکستان اور چین کے اسی رابطے کا خوف ہے جس کی وجہ سے وہ افغانستان، مقبوضہ کشمیر اور تاجکستان کے بعد گلگت بلتستان میں بھی براہ راست مداخلت کر کے پاکستان اور چین کے اس رابطے کو ختم کرنا چاہتے ہیں، کیونکہ عالمی سامراج کو اس بات کا خدشہ ہے کہ چین شاہراہ قراقرم کے ذریعے سمندر تک رسائی حاصل کر سکتا ہے۔ بعض مبصرین کا کہنا ہے کہ بلیک واٹر کی پاکستان مداخلت کا ایک مقصد چین کی سمندر تک اس رسائی کو روکنا بھی ہے۔

محمد خان جونیجو نے اپنے تین سالہ دور میں 5 سے 7 جون 1987ء تک خطے کا 3 روزہ دورہ کیا۔ اس دورے میں سرحد، پنجاب اور بلوچستان کے وزرائے اعلیٰ جبکہ سندھ کے گورنر بھی ان کے ہمراہ تھے جو بالترتیب ارباب جہانگیر، میاں محمد نواز شریف، جام غلام قادر اور اشرف تابانی تھے۔ محمد خان جونیجو کے دور میں سرحد سے تعلق رکھنے والے رکن قومی اسمبلی سعید کاظم شاہ وزیر امور کشمیر کے فرائض سرانجام دے رہے تھے، ان کا دور 1988ء کے مذہبی فسادات کے حوالے سے کافی متنازعہ رہا اور قاسم شاہ پر ان فسادات کا الزام لگایا جاتا ہے۔

محمد خان جونیجو نے خطے سے محرومی کے خاتمے کے لیے خطے کے لیے کئی اقدام کیے۔ ان کا بنیادی اقدام خطے کی تاریخ میں پہلی مرتبہ کسی پاکستانی حکمران کی جانب سے ایک مشیر کا تقرر تھا۔ ان کے دور میں اضلاع کی تعداد تین تھی کیونکہ مارشل لاء کے نفاذ کے بعد جنرل ضیاء الحق نے دو اضلاع گنگچھے اور غذر کو ختم کر دیا تھا۔ محمد خان جونیجو نے اعلان کیا کہ وہ تینوں اضلاع سے باری باری ایک ایک سال کے لیے خصوصی مشیر کا تقرر کریں گے جو وزیراعظم کا مشیر برائے شمالی علاقہ جات و امور کشمیر کہلائے گا۔ 5 جنوری 1988ء کو آغا سید احمد علی شاہ کو وزیراعظم پاکستان کا مشیر مقرر کر کے جونیجو نے اپنے وعدے کو پورا کیا، یہ خطے کی تاریخ کا پہلا موقع تھا کہ اس خطے سے تعلق رکھنے والے کسی شخص کو وزیراعظم کا مشیر مقرر کیا گیا تھا۔

جونیجو نے اپنے دور میں کئی تعلیمی اور معاشی اقدام بھی کیے، اس کے علاوہ ناردرن ایریاز کونسل کے مالیاتی اختیارات میں اضافہ بھی کیا جبکہ مقامی بلدیاتی اداروں کی ترقی کے لیے منصوبہ بندی بھی کی گئی تاہم 29 مئی 1988ء کو صدر پاکستان اور چیف آف آرمی اسٹاف جنرل محمد ضیاء الحق نے ان کی حکومت کا خاتمہ کیا جس کے بعد ایک مرتبہ پھر پاکستان کے تمام اختیارات صدر جنرل ضیاء الحق کے پاس آ گئے۔ 29 مئی کے اقدام کے بعد ضیاء الحق نے ملک میں نئے انتخابات کا اعلان کیا اور ان انتخابات سے پہلے 17 اگست 1988ء کو وہ ایک حادثے کا شکار ہوئے جس کے باعث پانچ جولائی 1977ء سے شروع ہونے والا ان کا دور اقتدار ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم ہوا۔

ضیاء الحق کے بعد سینیٹ کے چیئرمین غلام اسحاق خان نے انتظامی اور صدر کی حیثیت سے تمام اختیارات سنبھالے، ان کو فوج کے چیف آف آرمی اسٹاف جنرل مرزا اسلم بیگ کی حمایت حاصل تھی اور 16 اور 19 نومبر 1988ء کو بالترتیب قومی اور صوبائی اسمبلی کے لیے انتخابات ہوئے۔ پیپلز پارٹی ایک طویل عرصے بعد ایک مرتبہ پھر پاکستان میں بے نظیر بھٹو کی قیادت میں اکثریت حاصل کرنے میں کامیاب ہوئی، 2 دسمبر 1988ء کو بے نظیر بھٹو نے اقتدار سنبھالا۔ اس سے پہلے جنرل صدر پاکستان غلام اسحاق خان نے ملک میں نافذ ہنگامی حالت اور ایمرجنسی کونسل کے خاتمے کا اعلان کیا تاکہ جمہوری حکومت کو نظام حکومت چلانے میں پریشانی نہ ہو۔ بے نظیر بھٹو نے اقتدار سنبھالنے کے بعد کئی

اہم اقدام کیے جس سے ملک میں سول حکومت کی موجودگی کا احساس ہوا۔ انہوں نے میڈیا پر عائد پابندیوں اور سیاسی قیدیوں کی رہائی کا اعلان بھی کیا، ان قیدیوں میں گلگت بلتستان کے کئی رہنما بھی شامل تھے۔

بے نظیر بھٹو نے حکومت سنبھالنے کے بعد اپنے باپ کی مثال کو برقرار رکھتے ہوئے گلگت بلتستان کی طرف خصوصی توجہ دی اور فروری میں گلگت بلتستان میں پیپلز پارٹی کے علاقائی صدر قربان علی کو پیپلز پارٹی کی مرکزی ایگزیکٹو کمیٹی کا ممبر بنانے کے علاوہ شمالی علاقہ جات اور امور کشمیر کے لیے وزیر اعظم کا مشیر مقرر کیا، قربان علی نے 15 فروری 1989ء کو اپنا عہدہ سنبھالا۔ ذوالفقار علی بھٹو نے اپنے دور میں دو انتظامی یونٹ (اضلاع) کا اضافہ کیا تھا تاہم ضیاء الحق نے انہیں مالی بوجھ قرار دے کر ختم کر دیا۔ بے نظیر بھٹو کے دور حکومت میں 20 نومبر 1989ء کو ایک مرتبہ پھر ان دونوں اضلاع گانگچھے اور غذر کی بحالی کا اعلان کیا۔ دسمبر 1989ء میں ان اضلاع کی انتظامیہ نے اپنے فرائض کا آغاز کیا۔

(جاری ہے)

گلگت بلتستان کی داخلی خودمختاری اور اصل حقائق (30)

عبدالجبار ناصر

بے نظیر بھٹو کے دور میں خطے کے حوالے سے پہلی مرتبہ آئینی اور قانونی پوزیشن کی وضاحت کے لیے 3 رکنی آئینی کمیٹی قائم کر دی گئی، جس کے سربراہ وفاقی وزیر قانون افتخار حسین گیلانی جبکہ ممبران میں وزیر اعظم آزاد کشمیر سردار سکندر حیات خان، وزیر امور کشمیر اور شمالی علاقہ جات محمد حنیف خان، وزیر اعظم کے مشیر برائے شمالی علاقہ جات و امور کشمیر قربان علی، ناردرن ایریاز کونسل کے ممبران جان عالم اور کرنل حامد حسین شگری تھے۔ اس کمیٹی کو یہ اختیار دیا گیا تھا کہ وہ پاکستان کی پالیسی، تنازع کشمیر اور اقوام متحدہ میں پاکستان کے موقف کے علاوہ خطے کے عوام کے مفادات کو مدنظر رکھتے ہوئے کوئی ایسا قانونی حل تلاش کر کیا جائے جو عوام کے لیے قابل قبول ہو۔ بدقسمتی سے یہ کمیٹی زیادہ فعال کردار ادا نہ کر سکی جس کے بعد 1990ء میں ایک اور کمیٹی قائم کی گئی، جس کے سربراہ وفاقی وزیر قانون افتخار حسین گیلانی جبکہ ممبران میں وزیر اعظم آزاد کشمیر ممتاز حسین راٹھور، وزیر امور کشمیر و شمالی علاقہ جات محمد حنیف خان، وزیر اعظم کے مشیر برائے امور کشمیر قربان علی، مشیر برائے وزارت امور کشمیر غنی محمد خان، ناردرن ایریاز کونسل کے ممبران جان عالم ضلع دیامر، پیر کرم علی شاہ غذر، محمد جعفر گنگچھے اور شیخ غلام حسین سلیم سکردو شامل تھے۔ اس طرح پانچوں اضلاع سے ایک ایک نمائندہ کمیٹی میں شامل کیا گیا۔

اس کمیٹی نے قربان علی کی قیادت میں ایک اور ذیلی کمیٹی بنائی جس میں وزارت خارجہ، وزارت قانون وانصاف، وزارت خزانہ اور دیگر حکومتی اداروں کے نمائندے شامل تھے۔ اس کمیٹی نے خطے کی قانونی و آئینی پوزیشن کے حوالے سے کئی سفارشات مرتب کیں، تاہم ان پر اس لیے عملدرآمد نہیں ہوسکا، کیونکہ 6 اگست 1990ء کو صدر غلام اسحاق خان نے بے نظیر بھٹو کی حکومت کے خاتمے کا اعلان کیا اور اسلامی جمہوری اتحاد (آئی جے آئی) کے صدر غلام مصطفیٰ جتوئی کو پاکستان کا نگران وزیر اعظم مقرر کر کے 24 اکتوبر 1990ء کو ملک میں نئے انتخابات کرانے کا اعلان کیا۔ بے نظیر بھٹو کے ابتدائی دور حکومت کو مجموعی طور پر دیکھا جائے تو انہوں نے اپنے والد کی طرح اس خطے کی قانونی اور آئینی پوزیشن کے لیے کئی اقدام کیے، تاہم ان کو مزید موقع نہیں ملا، جس کے باعث وہ اصلاحات نہیں کر سکیں، تاہم اپنے دوسرے دور حکومت میں انہوں نے کئی اصلاحات کیں۔

گلگت بلتستان کی 62 سالہ تاریخ میں دو مقدمات انتہائی اہمیت کے حامل ہیں اور دونوں مقدمات 90 کی دہائی میں آزاد کشمیر اور پاکستان کے سپریم کورٹس میں دائر کیے گئے۔ خطے کی آئینی اور قانونی پوزیشن میں ان دو مقدمات کو انتہائی اہمیت حاصل ہے۔ ہم 1991ء سے اب تک حالات کا ذکر کرنے سے پہلے ان دو مقدمات کی مختصر تفصیلات سے آگاہ کرنا ضروری سمجھتے ہیں، کیونکہ اس کے بعد ہونے والی تمام اصلاحات کا تعلق انہی مقدمات سے ہے اور موجودہ حکومت

کے حالیہ اصلاحاتی پیکج کا بھی ان مقدمات سے بہت گہرا تعلق ہے۔

گلگت بلتستان کی آئینی حیثیت سے متعلق پہلا مقدمہ 16 اکتوبر 1990ء کو (آزاد کشمیر کے عبوری آئین کی دفعہ 44 کے تحت رٹ پٹیشن نمبر 1991/61ء کے تحت) آزاد جموں کشمیر ہائی کورٹ میں بعنوان ملک محمد مسکین ولد عبدالرحمٰن (موجودہ اسپیکر شمالی علاقہ جات قانون ساز اسمبلی) (2) حاجی امیر جان ولد بر ینو ساکنان داریل تانگیر ضلع دیامر گلگت بلتستان (دونوں اصحاب گلگت بلتستان کی مشاوری کونسل کے سابق ممبر بھی ہیں) یہ مقدمہ بنام (1) حکومت پاکستان بذیعہ وزارت امور کشمیر وشمالی علاقہ جات (2) آزاد حکومت ریاست جموں وکشمیر بذریعہ چیف سیکرٹری آزاد جموں کشمیر (اصل رسپانڈنٹ) (3) سردار محمد عبدالقیوم خان صدر آل جموں کشمیر مسلم کانفرنس (4) راجہ ممتاز حسین راٹھور پاکستان پیپلز پارٹی آزاد کشمیر (5) محمد شریف طارق صدر لبریشن لیگ (6) چودھری سلطان محمود آزاد کشمیر (7) میجر جنرل محمد حیات خان صدر تحریک عمل (8) عبدالرشید ترابی امیر جماعت اسلامی آزاد کشمیر (9) امان اللہ خان چیئرمین جموں کشمیر لبریشن فرنٹ (10) عبدالخالق انصاری بانی صدر جموں وکشمیر محاذ رائے شماری (11) جی ایم میر صدر این ایل ایف (پروقار مارسپانڈنٹس) دائر ہوئی۔ مقدمے کی سماعت جسٹس (ر) عبدالمجید ملک چیف جسٹس (2) جسٹس خواجہ محمد سعید اور (3) جسٹس ریاض اختر چودھری نے کی۔

درخواست میں کہا گیا تھا کہ شمالی علاقہ جات (گلگت بلتستان) ریاست جموں وکشمیر کا حصہ ہیں اور ان علاقوں کی ریاست جموں وکشمیر سے علیحدگی غیر قانونی ہے۔ شمالی علاقوں (گلگت بلتستان) کو آزاد جموں وکشمیر سے علیحدہ کیے جانے کے نتیجے میں ان علاقوں کے عوام کو آزاد کشمیر کی حکومت، اسمبلی، کونسل اور دیگر اداروں میں نمائندگی کے علاوہ بنیادی اور سول حقوق سے محروم رکھا گیا ہے اور یہ کہ ان علاقوں میں کسی قانونی جواز اور حق کے بغیر ہی حکومت کی جارہی ہے۔ درخواست میں ان علاقوں کے حکام کے گلگت بلتستان پر حکومت کرنے کے حق کو چیلنج کرتے ہوئے استدعا کی گئی تھی کہ وہ آزاد کشمیر حکومت کو ہدایت کرے کہ وہ شمالی علاقوں (گلگت بلتستان) کا انتظام سنبھالے اور یہ بھی ہدایت دے کہ شمالی علاقوں (گلگت بلتستان) کے عوام کو آزاد کشمیر گورنمنٹ، آزاد کشمیر اسمبلی اور جموں وکشمیر کونسل میں نمائندگی دی جائے اور شمالی علاقوں (گلگت بلتستان) میں انتظامی اور عدالتی نظام قائم کرے، جیسا کہ آزاد کشمیر کے عبوری آئین میں درج ہے۔

(جاری ہے)

گلگت بلتستان کی داخلی خودمختاری اور اصل حقائق (31)

عبدالجبار ناصر

کیس کے سائلان اور مسئولین نے اپنے موقف کے حق میں درجنوں دستاویزات، کتابچے اور کتابیں عدالت میں پیش کیں، جن سے عدالت نے پورا استفادہ کیا اور نتیجتاً کیس کا فیصلہ بذات خود ایک انتہائی اہم تاریخی دستاویز بن گیا۔ فیصلے میں جن قانونی تاریخی اور آئینی امور کی وضاحت کی گئی، ان کی تعداد 203 تک پہنچ گئی اور آئٹم نمبر 204 کے تحت رٹ پٹیشن کو منظور کر کے مندرجہ ذیل ہدایات جاری کی گئیں:

(1) آزاد کشمیر گورنمنٹ فوراً شمالی علاقہ جات (گلگت بلتستان) کا حکومتی نظام سنبھالے اور شمالی علاقوں (گلگت بلتستان) کو آزاد جموں کشمیر کے علاقوں میں شامل کرے۔

(2) اس مقصد کے حصول کے لیے حکومت پاکستان آزاد کشمیر حکومت کی مناسب مدد کرے۔

(3) شمالی علاقوں (گلگت بلتستان) کے باشندے آزاد جموں کشمیر ایکٹ 1974ء کے تحت حاصل بنیادی حقوق سے استفادہ کریں گے۔ انہیں آزاد کشمیر کی حکومت، اسمبلی، کونسل، سول انتظامیہ اور دوسرے قومی اداروں میں نمائندگی دی جائے۔ نیز آزاد کشمیر حکومت عبوری آئین کے مندرجات کے مطابق شمالی علاقوں (گلگت بلتستان) میں انتظامی اور عدالتی سیٹ اپ قائم کرے۔ یہ فیصلہ آزاد کشمیر ہائی کورٹ نے 8 مارچ 1993ء کو سنایا۔

آزاد کشمیر ہائی کورٹ کے اس فیصلے کے نتیجے میں آزاد کشمیر بھر بالخصوص قوم پرستوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور انہوں نے اس کو اپنی بہت بڑی کامیابی قرار دیا۔ دوسری جانب گلگت بلتستان میں بھی ایک بڑا طبقہ خوش تھا لیکن حکومت پاکستان کی افسر شاہی، دوسرے طاقت ور حلقوں اور گلگت بلتستان کے ایک بڑے طبقے کے لیے یہ فیصلہ کسی صورت قابل قبول اور قابل برداشت نہیں تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس مقدمے کے فیصلے کے بعد ہی دونوں جانب سے سرگرمیاں تیز ہوگئیں۔ کشمیریوں کو ملنے والی خوشی زیادہ دیرپا ثابت نہیں ہوئی، کیونکہ آزاد کشمیر کی حکومت وفاقی حکومت کے دباؤ کو زیادہ دیر برداشت نہیں کر سکی اور اس نے نہ چاہتے ہوئے بھی حکومت پاکستان کے موقف کی حمایت کرتے ہوئے اس فیصلے کے خلاف سپریم کورٹ آف آزاد کشمیر میں اپیل دائر کر دی۔ سپریم کورٹ نے فیصلہ دیتے ہوئے کہا کہ اگرچہ گلگت بلتستان کے علاقے ریاست جموں وکشمیر کا حصہ ہیں لیکن آزاد کشمیر کے 1974ء کے عبوری آئین کے مطابق یہ علاقے (گلگت بلتستان) آزاد جموں کشمیر کا حصہ نہیں ہیں۔ علاوہ ازیں چونکہ یہ بات آزاد کشمیر ہائی کورٹ کے دائرہ اختیار میں نہیں ہے کہ وہ حکومت پاکستان کو گلگت بلتستان کے علاقوں کو آزاد کشمیر حکومت کے حوالے کرنے کا کہے، اس لیے اس نے آزاد کشمیر ہائی کورٹ کے 8 مارچ 1993ء کے فیصلے کو غلط قرار دے دیا، جو آزاد کشمیر کے قوم پرستوں اور گلگت بلتستان کو

کشمیر کا حصہ قرار دینے والوں کے لیے ایک بہت بڑا دھچکا ثابت ہوا، جبکہ دوسری جانب گلگت بلتستان کو پاکستان کا حصہ اور کشمیر سے الگ حیثیت قرار دینے والے اس فیصلے پر خوش تھے۔

1994ء میں سپریم کورٹ آف پاکستان میں گلگت بلتستان کی آئینی حیثیت کے بارے میں دو کیس دائر ہوئے۔ پہلا کیس الجہاد ٹرسٹ راولپنڈی بذریعہ حبیب الوہاب ایڈووکیٹ راولپنڈی و دیگر نو افراد (جن کا تعلق گلگت بلتستان سے تھا) نے آئینی درخواست نمبر 11 آف 1994ء اور دوسری فوزیہ اسلم عباس سابق رکن این اے کونسل و قانون ساز اسمبلی اور دیگر کی طرف سے آئینی درخواست نمبر 17 آف 1994ء کے تحت دائر کی گئی۔ چونکہ دونوں درخواستوں کا مقصد تقریباً ایک ہی تھا (یعنی چونکہ گلگت بلتستان کے علاقے پاکستان کا آئینی حصہ ہیں، اس لیے وہاں کے عوام کو وہی حقوق حاصل ہونے چاہئیں جو پاکستان کے شہریوں کو حاصل ہیں اور خطے کے پاکستان کا حصہ ہونے کی وجہ سے یہاں کے عوام کو پارلیمنٹ میں نمائندگی دی جائے اور اگر یہ علاقے پاکستان کا حصہ نہیں تو حکومت پاکستان کو گلگت بلتستان کے عوام سے ٹیکس وصول کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں) اس لیے سپریم کورٹ نے دونوں کو اکٹھے کر دیا۔

سپریم کورٹ آف پاکستان نے اپنے فیصلے میں واضح طور پر کہا کہ گلگت بلتستان کے علاقے پاکستان کا آئینی حصہ نہیں ہیں، البتہ چونکہ یہ علاقے پاکستان کے عملی کنٹرول میں ہیں اور اقوام متحدہ میں بھی پاکستان نے دعویٰ کر رکھا ہے کہ یہاں ان علاقوں کے لوگوں کی ہی حکومت ہے اور پاکستانی حکام صرف ان کی مدد کر رہے ہیں، اس لیے ان علاقوں کے عوام کو کم از کم وہ بنیادی حقوق دیے جائیں، جو پاکستان کے عوام کو حاصل ہیں۔ یعنی علاقے پر ان کی اپنی حکومت ہو، انصاف اور اچھی حکومت تک ان کی رسائی ہو اور بااختیار مقامی جمہوری ادارے ہوں۔

سپریم کورٹ نے 28 مئی 1999ء کو اپنے فیصلے کے تحت حکومت پاکستان کو ہدایت کی تھی کہ وہ چھ ماہ کے اندر اندر ایسے اقدامات کرے جن کے نتیجے میں گلگت بلتستان میں ان کے اپنے منتخب نمائندے حکومت چلائیں اور وہاں عوام کو خود مختار عدلیہ کے ذریعے انصاف تک رسائی ہو، جب اس مقدمے میں فریقین نے اپنے اپنے دلائل دیے تو جموں و کشمیر لبریشن فرنٹ کے چیئرمین امان اللہ خان نے بھی فریق بننے کی درخواست دی تاہم عدالت نے ان کی درخواست قبول نہیں کی۔ دوسری جانب آزاد کشمیر حکومت نے بھی اپنے موقف میں نرمی کی، جس کی وجہ سے کشمیری قوم پرست اس وقت کے وزیر اعظم آزاد کشمیر سلطان محمود چودھری سے شدید ناراض ہوئے۔ کشمیریوں کی اس نرمی کا فائدہ درخواست گزاروں کو ہوا اور درخواست گزار اپنے اس دعوے کو کسی حد تک ثابت کرنے میں کامیاب ہوئے کہ خطے کا کشمیر سے تعلق اس طرح کا نہیں جس طرح کا تعلق کشمیری قیادت قرار دیتی ہے اور خطے کی اپنی علیحدہ قانونی اور آئینی پوزیشن ہے۔

اس فیصلے کے آنے کے بعد حکومت خطے کے لیے خصوصی اصلاحات پر مجبور ہوگئی۔ یہی وجہ ہے کہ 1999ء کے بعد 3 مرتبہ حکومت اصلاحاتی پیکیج دینے پر مجبور ہوئی۔ 1993ء اور 1994ء میں دیے گئے پیکیج کا تعلق بھی 1993ء کے آزاد کشمیر ہائی کورٹ کے فیصلے سے تھا۔ سپریم کورٹ آف پاکستان نے مقامی لوگوں کو بنیادی حقوق دینے کا حکم تو دیا مگر اسٹیبلشمنٹ نے آج تک ان فیصلوں پر عملدرآمد نہیں ہونے دیا، جس کی وجہ سے آج بھی خطے کے لوگ بنیادی اختیارات سے محروم ہیں، اگرچہ ان 15 سالوں میں پانچ مرتبہ مختلف پیکیجز کا اعلان کیا گیا مگر ان اصلاحاتی پیکیجز میں صرف نام تبدیل کیے گئے اور عملی طور پر انتظامی اور اختیاراتی تبدیلیاں بہت کم ہی کی گئیں اور کنٹرول اب بھی وفاق کا ہی ہے۔ ان عدالتی فیصلوں کے باوجود لوگوں کو محروم رکھنے کی وجہ سے خطے میں مایوسی میں دن بدن اضافہ ہو رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اب علاقے میں قوم پرستی اور خودمختاری کا مطالبہ کرنے والوں کی تعداد میں دن بدن اضافہ ہو رہا ہے۔ اس ضمن میں 1997ء میں منائی گئی بلیک جوبلی اور دیگر واقعات ایک واضح مثال ہے۔ اگر معاملات جلد طے نہیں ہوئے تو صورت حال مزید سنگین ہو سکتی ہے۔

(جاری ہے)

گلگت بلتستان کی داخلی خودمختاری اور اصل حقائق (32)

عبدالجبار ناصر

گلگت بلتستان کی آئینی اور قانونی پوزیشن کے حوالے سے 8 مارچ 1993ء کو آزاد کشمیر ہائی کورٹ کے اہم فیصلے اور بعدازاں سپریم کورٹ آف آزاد کشمیر کی جانب سے اس فیصلے کو کالعدم قرار دینے اور 28 اپریل 1999ء کو سپریم کورٹ آف پاکستان کے فیصلوں کے بعد خطے میں بڑے پیمانے پر مختلف اصلاحاتی تبدیلیاں کی گئیں اور ان اصلاحات میں جہاں ان مقدمات کا کردار ہے، وہیں خطے کے نوجوانوں کا بھی بڑا کردار ہے، جنہوں نے اس سے قبل خطے کی محرومی اور مایوسی کے خاتمے کے لیے کوششیں کیں۔

1970ء میں جب آزاد کشمیر میں صدارتی نظام کی جگہ پارلیمانی نظام رائج کرکے آزاد کشمیر کو ایک عبوری آئین اور پارلیمانی نظام حکومت دیا گیا، جس میں گلگت بلتستان کو نمایندگی نہ دینے پر آزاد کشمیر کی قوم پرست تنظیموں بشمول جموں وکشمیر محاذ رائے شماری اور گلگت بلتستان کے کشمیر سے تعلق کے حامیوں میں شدید اشتعال پایا گیا، اس حوالے سے گلگت کے علاوہ کراچی میں بھی زبردست احتجاج ہوا۔ حکومت نے اس احتجاج کے نتیجے میں خطے کے عوام کے اندر پائی جانے والی مایوسی کے خاتمے کے لیے پہلی مرتبہ مشاورتی کونسل کے قیام کا اعلان کیا۔ اگرچہ اس مشاورتی کونسل کا فیصلہ 1969ء میں ہوا تھا مگر عملاً کام 1970ء میں ہوا، یہ دور پاکستان میں یحییٰ خان کا تھا۔

گلگت بلتستان میں قائم کی گئی مشاورتی کونسل برائے شمالی علاقہ جات مجموعی طور پر 21 ارکان پر مشتمل تھی، جس میں 7 ارکان نامزد اور 14 منتخب تھے۔ 30 دسمبر 1970ء کو ان 14 ارکان کے انتخاب کے لیے پہلی مرتبہ الیکشن ہوئے۔ اس کونسل کو صرف مشورے کی حد تک بنایا گیا تھا اور حکومت اس کے مشوروں پر عمل کرنے کی پابند بھی نہیں تھی، کیونکہ اس کونسل کا چیئرمین خطے کا ریذیڈنٹ ہوتا تھا، تاہم چونکہ خطے میں پہلی بار بالغ رائے دہی کی بنیاد پر انتخابات ہوئے تھے، اس لیے اس کو ایک بہت بڑی تبدیلی تصور کیا گیا۔ مشاورتی کونسل کو مالیاتی اختیارات بھی حاصل نہیں تھے، البتہ اس دوران ملک میں ذوالفقار علی بھٹو کی حکومت قائم ہوئی اور پاکستان سمیت گلگت بلتستان کے سیاسی قیدیوں کو بھی رہا کرکے خطے میں سیاسی سرگرمیوں کی اجازت دی گئی۔ اسی دوران معروف قوم پرست رہنما جوہر علی ایڈووکیٹ نے خطے میں ملت پارٹی کے نام سے نئی پارٹی کا اعلان کیا، تاہم یہ پارٹی زیادہ دیر کامیابی سے نہیں چل سکی اور بالآخر جوہر علی ایڈووکیٹ نے اپنی پارٹی کو پاکستان پیپلزپارٹی میں ضم کردیا اور پیپلزپارٹی نے انہیں گلگت بلتستان کا علاقائی سربراہ منتخب کیا۔

60ء کے عشرے کے آخری دنوں میں گلگت بلتستان جمہوری محاذ بھی قائم ہوچکی تھی جس کے اہم رہنماؤں میں فضل

الرحمٰن عالمگیر، شیرولی، خلیل الرحمٰن (پونیال)، رسول میر، متولی خان (گلگت)، امیر حمزہ، فقیر محمد (استور) اور ملک محمد مسکین (داریل تانگیر) ان سیاسی سرگرمیوں کی وجہ سے حکومت خطے کے عوام کی محرومیوں کے خاتمے کے لیے اقدام کرنے پر مجبور ہوئی۔ 1969ء میں قائم کی جانے والی مشاورتی کونسل کا اصل سبب یہی جدوجہد تھی۔ تاہم مشاورتی کونسل کے پاس اختیارات نہ ہونے کے باعث خطے کی محرومیوں کا خاتمہ نہیں ہوا، جس کی وجہ سے عوامی مطالبات میں مسلسل اضافہ ہوتا رہا۔

ذوالفقار علی بھٹو نے حکومت سنبھالنے کے بعد خطے کے لیے بڑے پیمانے پر انتظامی اور اصلاحاتی انقلابی اقدام کیے، جس کی وجہ سے آج بھی ذوالفقار علی بھٹو کا نام خطے میں روشن ہے، انہوں نے گلگت بلتستان کی مشاورتی کونسل کو اپنی آئینی مدت پوری کرنے دی اور جون 1975ء میں لیگل فریم ورک آرڈر کے ذریعے کونسل میں مزید تبدیلیاں کیں، جس میں عام نشستوں کی تعداد 14 سے بڑھا کر 16 کردی گئیں اور بڑے اضلاع گلگت، بلتستان اور دیامر کے لیے 4، 4 جبکہ غذر اور گانچھے کے لیے 2 نشستیں تجویز کی گئیں، تاہم اس مرتبہ اصلاحات کے ذریعے کونسل کو کسی حد تک مالی اختیارات دیے گئے تھے، جس کی وجہ سے اب کونسل کے ارکان کے انتخاب کا مقصد نظر آرہا تھا اور انہی اصلاحات کے ذریعے مشاورتی کونسل کا لفظ ختم کر کے کونسل کو نادرن ایریاز کونسل کا نام دیا گیا۔

مالی اختیارات کے علاوہ وزیر امور کشمیر و شمالی علاقہ جات کو پہلی مرتبہ نادرن ایریاز کونسل کا چیئرمین مقرر کیا گیا۔ اس وقت موجودہ وزیر اعلیٰ سندھ اور پیپلز پارٹی کے اہم پارلیمانی رکن سید قائم علی شاہ وزیر امور کشمیر و شمالی علاقہ جات تھے۔ قائم علی شاہ کو بحیثیت وزیر امور کشمیر خطے کے سب سے بڑے منتخب عوامی فورم کا پہلا چیئرمین ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ 1975ء تک کونسل کے ارکان بلدیاتی نظام کا تقریباً متبادل تھے، البتہ 1975ء میں ہونے والی اصلاحات اور 6 نومبر 1975ء کو قائم ہونے والی کونسل سے محسوس ہوا کہ اب کونسل کی حیثیت بلدیاتی اداروں سے بالاتر ہے۔

ذوالفقار علی بھٹو کی اصلاحات کے بعد کونسل کی نشستوں میں 1987ء تک کوئی مناسب اضافہ نہیں کیا گیا۔ 6 جولائی 1977ء کو ذوالفقار علی بھٹو کی حکومت کے خاتمے اور جنرل ضیاء الحق کی جانب سے مارشل لا کے نفاذ کے بعد گلگت بلتستان کو پاکستان کی تاریخ میں پہلی مرتبہ مارشل لا کا پانچواں زون (ای) قرار دیا گیا اور 1975ء کے انتخابات میں قائم ہونے والی نادرن ایریاز کونسل کو توڑ دیا گیا، تاہم تقریباً سوا 2 سال بعد 11 اکتوبر 1979ء کو ضیاء الحق نے نادرن ایریاز کونسل کی 16 نشستوں، 105 یونین کونسلوں، 3 میونسپل کمیٹیوں اور 3 ضلع کونسلوں کے انتخابات ایک ساتھ کروائے۔ اس طرح خطے میں پہلی بار سب سے بڑے عوامی فورم اور بلدیاتی اداروں کے 748 نمائندوں کا بالغ رائے دہی کی بنیاد پر انتخاب کیا گیا۔

ضیاء الحق کے دور میں کونسل کے اختیارات میں کوئی نمایاں اضافہ نہیں کیا گیا البتہ ان کی بعض سفارشات پر توجہ دی گئی اور مقامی منصوبوں پر ان کی مشاورت کو اہمیت دی گئی۔ دوسری جانب ملک میں مارشل لا جاری تھا اور تمام سیاسی اور جمہوری ادارے معطل تھے۔ ضیاء الحق کے دور میں دوسری بار 26 اکتوبر 1983ء کو ناردرن ایریاز کونسل اور بلدیاتی اداروں کے لیے انتخابات ہوئے اور کونسل کو کچھ امور پر مالیاتی اختیارات دیے گئے۔ اس کے باوجود کونسل کوئی اہم فیصلہ کرنے میں بااختیار تھی اور نہ ہی آزاد۔

1985ء کے غیر جماعتی انتخابات اور ملک میں سیاسی سرگرمیوں کی اجازت کے بعد گلگت بلتستان میں بھی اس حوالے سے سرگرمیاں شروع ہوئیں۔ 80ء کی دہائی میں جہاں مختلف پاکستانی جماعتوں نے اپنی اپنی شاخیں کھولیں، وہیں مقامی سطح پر بھی کئی تنظیموں کا قیام عمل میں لایا گیا۔ ان میں سے اکثر جماعتوں کے قیام میں کراچی میں زیر تعلیم طلبہ کا اہم کردار رہا ہے۔ محمد خان جونیجو نے اپنے دور حکومت میں کونسل کے اختیارات میں اضافہ کرکے 6 کروڑ روپے تک کے ترقیاتی منصوبے رکھنے کے اختیارات کونسل کو دے دیے، جس سے کونسل کی اہمیت میں کسی حد تک اضافہ ہوا اور مالی سال 87-1986ء میں ممبران کونسل کے لیے بھی فنڈز مخصوص کیے گئے۔

(جاری ہے)

گلگت بلتستان کی داخلی خودمختاری اور اصل حقائق (33)

عبدالجبار ناصر

11 نومبر 1987ء کو پانچویں ناردرن ایریاز کونسل اور بلدیاتی اداروں کے انتخابات ہوئے، تاہم انتظامی حوالے سے کونسل کے پاس زیادہ اختیارات نہیں تھے۔ اس لیے کونسل کے ارکان کی زیادہ توجہ قانونی اور آئینی اصلاحات کے لیے کوشش کی بجائے صرف نچلی سطح کے عوامی منصوبوں کے زیادہ سے زیادہ حصول میں رہی۔ دوسری جانب مختلف طلبہ تنظیموں کے قیام کے بعد خطے میں سیاسی سرگرمیوں میں اضافے کے علاوہ آئینی اور قانونی محرومی کے حوالے سے احتجاج میں اضافہ ہورہا تھا۔ 1985ء سے 1990ء تک قائم ہونے والی خطے کی قوم پرست تنظیموں میں قراقرم اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن، گلگت بلتستان اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن، بالاورستان نیشنل فرنٹ، بلتستان اسٹوڈنٹس فیڈریشن، دیامر اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن اور دیگر علاقائی تنظیمیں شامل تھیں۔ خطے میں 1994ء کے بعد ہونے والی اصلاحات میں ان تمام تنظیموں کا کسی نہ کسی حد تک کردار رہا ہے، اگرچہ بعض کے خیالات اور نظریات سے اختلاف بھی کیا جاسکتا ہے۔

اگست 1990ء میں پاکستان پیپلز پارٹی کی حکومت کے خاتمے کا صدر غلام اسحاق خان نے اعلان کرتے ہوئے اسلامی جمہوری اتحاد کے سربراہ غلام مصطفیٰ جتوئی کی سربراہی میں حکومت قائم کی گئی جس کی نگرانی میں نومبر میں انتخابات کرائے گئے اور ان کے نتیجے میں 6 نومبر 1990ء کو اسلامی جمہوری اتحاد کے رہنما میاں محمد نواز شریف نے اقتدار سنبھالا۔ نواز شریف نے اقتدار سنبھالنے کے بعد گلگت بلتستان کے حوالے سے کوئی زیادہ دلچسپی کا اظہار نہیں کیا، البتہ نچلی سطح پر کچھ ترقیاتی منصوبوں کی انہوں نے منظوری دی۔ 5 نومبر 1991ء کو ناردرن ایریاز کونسل کے چھٹے انتخابات ہوئے۔ اس سے قبل کونسل کی نشستوں کی تعداد میں خواتین کی دو مخصوص نشستوں کا اضافہ کرکے مجموعی تعداد 18 کردی گئی۔ نواز شریف کا پہلا دور بھی بے نظیر بھٹو کے پہلے دور کی طرح کچھ زیادہ اصلاحاتی دور نہیں رہا، البتہ 3 مارچ 1993ء کو آزاد کشمیر ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ کے فیصلوں کے بعد نواز شریف اور ان کے ساتھیوں کو خطے کی محرومی کا احساس ہوا اور انہوں نے اصلاحات کی کوششیں شروع کردیں مگر اسی دوران 17 اپریل 1993ء کو صدر پاکستان غلام اسحاق خان نے ان کی حکومت بھی توڑ دی۔ میاں نواز شریف صدر کے اس اقدام کے خلاف عدالت میں گئے، 26 مئی 1993ء کو سپریم کورٹ آف پاکستان نے ان کی حکومت بحال کردی۔ تاہم صدر اور وزیراعظم کے مابین اختلافات کی وجہ سے 18 جولائی 1993ء کو صدر غلام اسحاق خان اور وزیراعظم نواز شریف دونوں کو اقتدار کی قربانی دینی پڑی۔ یوں نہ صرف گلگت بلتستان بلکہ پورا ملک ان حکمرانوں کے ذاتی تنازعات کی وجہ سے کئی مسائل سے دوچار ہوا۔

18 جولائی 1993ء کو امریکا سے درآمد کیے گئے وزیراعظم معین قریشی نے آزاد کشمیر کے ہائی اور سپریم کورٹ کے فیصلوں کو مدنظر رکھتے ہوئے گلگت بلتستان کے لیے پہلی مرتبہ اصلاحاتی پیکیج تیار کیا، تاہم ان کے پاس وقت انتہائی کم تھا اور وہ اس پیکیج کا باقاعدہ اعلان نہیں کر سکے۔ معین قریشی کے تیار کردہ پیکیج میں خطے کے لیے مقامی چیف ایگزیکٹو کا عہدہ تخلیق کیا گیا تھا، جس کا انتخاب مقامی قانون ساز کونسل نے کرنا تھا، مگر معین قریشی کی حکومت ختم ہونے کے باعث اس پیکیج کے اعلان کی ذمہ داری 16 اکتوبر 1993ء کو الیکشن کے نتیجے میں قائم ہونے والی بے نظیر بھٹو کی حکومت پر چھوڑ دیا گیا۔ بے نظیر بھٹو نے حکومت میں آتے ہی گلگت بلتستان کی ناردرن ایریاز کونسل کو توڑ دیا، بظاہر اس کی وجہ آزاد کشمیر کی ہائی اور سپریم کورٹ کا فیصلہ بتایا گیا، تاہم اصل وجہ نئے انتخابات کے ذریعے اپنے لوگوں کو منتخب کرانا تھی۔

2004ء میں ذوالفقار علی بھٹو کے دور میں گلگت بلتستان کے لیے جاری کیے گئے لیگل فریم ورک آرڈر (ایل ایف او) کے خاتمے کا اعلان کر کے خصوصی اصلاحاتی پیکیج تیار کیا گیا۔ اس اصلاحاتی پیکیج کے ذریعے کئی اصلاحات کی گئیں، جن میں عدالتی، انتظامی اور عوامی اصلاحات شامل تھیں۔ یہ پیکیج دراصل وہی تھا جس کو وزیراعظم معین قریشی کے دور میں تیار کیا گیا تھا، تاہم نئی تبدیلی کے ساتھ اس پیکیج میں مقامی منتخب رکن کو چیف ایگزیکٹو کی بجائے ڈپٹی چیف ایگزیکٹو جبکہ وزیر امور کشمیر کو ناردرن ایریاز قانون ساز کونسل کا چیف ایگزیکٹو نامزد کیا گیا، اس میں پانچ مشیروں کی تقرری کا اعلان بھی کیا گیا، البتہ ڈپٹی چیف ایگزیکٹو کا انتخاب مقامی منتخب ارکان کونسل کرتے تھے، مگر اس کے خلاف عدم اعتماد کا کوئی اختیار نہیں تھا اور بے نظیر بھٹو کے اس پیکیج کے تحت اختیارات کا منبع وزیر امور کشمیر تھے۔ ڈپٹی چیف ایگزیکٹو کا عہدہ صرف نمائشی بن کر رہ گیا۔ کونسل کو محدود سطح پر بعض امور میں اختیارات دیے گئے تھے، تاہم وہ اس قدر نہیں تھے کہ بڑے پیمانے پر قانون سازی کی جاسکتی۔ انہی اصلاحات کے تحت کونسل میں آٹھ نشستوں کا اضافہ کیا گیا، جس سے نشستوں کی کل تعداد 16 سے 24 ہوگئی، جبکہ دو خواتین ارکان کے انتخاب کا حق 1991ء ہی میں دیا گیا تھا۔ ان اصلاحات کے بعد 5 اکتوبر 1994ء کو 24 جنرل نشستوں کے لیے انتخابات ہوئے۔ بعدازاں دو خواتین نشستوں پر انتخاب کے علاوہ ڈپٹی چیف ایگزیکٹو کا انتخاب کیا گیا، جس میں پیپلز پارٹی کے پیر کرم علی شاہ تاریخ میں پہلی مرتبہ علاقے کے سب سے بڑے منتخب عوامی فورم کے مقامی سربراہ یعنی ڈپٹی چیف ایگزیکٹو منتخب ہوئے۔

1994ء کے پیکیج کی دوسری خاص بات یہ تھی کہ خطے کی تاریخ میں پہلی مرتبہ جماعتی بنیادوں پر انتخابات کرائے گئے تھے اور انتخابات میں تحریک جعفریہ نے مجموعی طور پر اکثریت حاصل کی تھی، تاہم حکومت پیپلز پارٹی کے پیر کرم علی شاہ نے بنائی، جن کا تعلق ضلع غذر سے تھا۔ پیپلز پارٹی کی حکومت کے اس دور میں مزید اصلاحات کے بارے میں غور کا سلسلہ جاری رہا اور اس دوران مختلف ترقیاتی اور عوامی فلاح و بہبود کے کئی منصوبوں کا اعلان بھی کیا گیا۔ 1994ء کے

اصلاحاتی پیکیج کو خطے کے ایک بڑے طبقے نے مسترد کر دیا تھا۔ اس کی بنیادی وجہ پیکیج میں عوام کو اختیارات نہ دینا تھا، تاہم اسی دوران 5 نومبر 1996ء کو پیپلز پارٹی کے اپنے ہی صدر اور پارٹی کے سابق جنرل سیکریٹری سردار فاروق لغاری نے سنگین الزامات عاید کرتے ہوئے بے نظیر بھٹو کی حکومت برطرف کر دی اور اسمبلیاں توڑ دیں، حالانکہ بے نظیر بھٹو نے اکتوبر 1993ء میں پارٹی کے اندر باہمی مشاورت کے بعد اپنا با اعتماد ساتھی تصور کر کے فاروق خان لغاری کو پارٹی عہدے سے ہٹا کر صدر پاکستان کا عہدہ دیا تھا، یوں انہوں نے 13 نومبر 1993ء کو صدر پاکستان کی حیثیت سے اپنی ذمہ داریاں سنبھالی تھیں مگر تیئسال ایک ماہ بعد ہی فاروق لغاری نے اپنی ہی پارٹی کی حکومت پر کرپشن کے الزامات عاید کر کے حکومت ختم کر دی اور 5 نومبر 1996ء کو پیپلز پارٹی کے سابق رہنما اور بھٹو کے ساتھی معراج خالد کو پاکستان کا نگران وزیراعظم مقرر کیا گیا اور الیکشن کے لیے 3 فروری 1997ء کی تاریخ مقرر کی گئی، غالباً پاکستان کی تاریخ کا یہ پہلا موقع تھا کہ قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات ایک ہی روز رمضان کے مہینے میں ہو رہے تھے۔

(جاری ہے)

گلگت بلتستان کی داخلی خودمختاری اور اصل حقائق (34)

عبدالجبار ناصر

3 فروری 1997ء کے انتخابات میں مسلم لیگ ن بھاری اکثریت سے کامیاب ہوئی اور انہیں 204 میں 134 نشستوں پر کامیابی ملی، جبکہ پیپلز پارٹی کو صرف 17 نشستیں ملیں۔ 17 فروری 1997ء کو میاں محمد نواز شریف نے وزیراعظم کا عہدہ سنبھالا اور انہیں 204 میں سے 181 ارکان نے سپورٹ کیا۔ نواز شریف نے بھی اپنے دوسرے دور میں خطے پر آئینی اور قانونی حوالے سے کوئی زیادہ توجہ نہیں دی، تاہم مقامی سطح پر مسائل کے حل اور ترقیاتی منصوبوں کے حوالے سے ان کی توجہ رہی۔ ان کے پہلے دور میں سابق وزیر اعلیٰ سرحد سردار مہتاب خان عباسی وزیر امور کشمیر و شمالی علاقہ جات کی حیثیت سے ذمہ داریاں نبھاتے رہے۔ نواز شریف کے دوسرے دور میں جنرل ریٹائرڈ عبدالمجید ملک وزیر امور کشمیر و شمالی علاقہ جات رہے۔ یہ دونوں حضرات خطے کے حوالے سے کافی باخبر تھے اور یہی وجہ ہے کہ انہوں نے عوامی مسائل کے حل پر توجہ دی، تاہم قانونی اور آئینی پوزیشن کے حوالے سے کوئی بڑا قدم نہیں اٹھایا، اس حوالے سے کہا جاتا ہے کہ سب سے بڑی رکاوٹ 1994ء میں گلگت بلتستان کی آئینی حیثیت کے حوالے سے الجہاد ٹرسٹ اور سابق ممبر نادرن ایریاز کونسل فوزیہ سلیم عباس کی سپریم کورٹ آف پاکستان میں دائر آئینی درخواستیں تھیں۔ حکومت ان درخواستوں کے فیصلے تک کوئی بڑا فیصلہ کرنے سے گریز کرنا چاہ رہی تھی، کیونکہ خطرہ تھا کہ کسی اصلاحاتی پیکیج کی صورت میں توہین عدالت کا مقدمہ دائر ہو سکتا ہے۔ اگرچہ نواز شریف نے اپنے دونوں ادوار میں خطے کے نصف درجن کے قریب سرکاری اور نجی دورے کیے، تاہم عدالتی کارروائی کی وجہ سے چاہتے ہوئے بھی وہ گلگت بلتستان کے لیے کسی اصلاحاتی پیکیج کا اعلان نہ کر سکے۔

دوسرے دور کے آخری دو سال نواز شریف کے فوج کے سربراہوں، صدر پاکستان اور چیف جسٹس آف پاکستان کے ساتھ لڑائیوں میں گزرے۔ اگرچہ انہوں نے کئی مرحلوں پر بھرپور کامیابی حاصل کی مگر 12 اکتوبر 1999ء کی تاریخ ان کے لیے بہتر ثابت نہیں ہوئی۔ نواز شریف نے پرویز مشرف کو تو ہٹا دیا مگر اس فیصلے کے نتیجے میں خود نہ صرف اقتدار سے محروم ہوئے، بلکہ انہیں قید و بند اور مقدمات کا سامنا کرنا پڑا، بالآخر مجبوراً دسمبر 2000ء میں سابق صدر پرویز مشرف کے ساتھ معاہدے کے بعد سعودی عرب چلے گئے۔

نواز شریف کے دوسرے دور کے خاص واقعات میں 11 مئی 1998ء کو بھارت کی جانب سے ایٹمی دھماکا تھا، جس کا جواب 28 مئی 1998ء کو پاکستان نے دیا، حالانکہ اس دوران عالمی قوتوں کی جانب سے نواز شریف پر ایٹمی دھماکا نہ کرنے کا شدید دباؤ تھا لیکن انہوں نے کسی دباؤ کو خاطر میں نہیں لایا اور اسی روز پاکستان کی سپریم کورٹ نے

گلگت بلتستان کی قانونی اور آئینی پوزیشن کے حوالے سے 1994ء میں دائر کی گئی درخواست پر فیصلہ دیتے ہوئے ہدایت کی کہ گلگت بلتستان اگرچہ پاکستان کا آئینی حصہ نہیں، البتہ یہ علاقے پاکستان کے عملی کنٹرول میں ہیں اور اقوام متحدہ نے بھی پاکستان کے دعوے کو تسلیم کیا ہے، اس لیے یہاں کے عوام کو کم از کم وہ بنیادی حقوق دیے جائیں جو پاکستان کے عوام کو حاصل ہیں اور سپریم کورٹ نے حکومت کو پابند کیا کہ 6 ماہ کے اندر اندر خصوصی اصلاحاتی پیکیج دیا جائے۔ اسی فیصلے کی روشنی میں نواز شریف نے اپنے دوسرے دور کے آخری چند ماہ میں گلگت بلتستان کے لیے ایک خصوصی پیکیج کی تیاری کے لیے کمیٹی بنائی، جس نے اپنی سفارشات مرتب کیں اور ان سفارشات میں خطے کے سب سے بڑے عوامی فورم ناردرن ایریاز کونسل کو ناردرن ایریاز قانون ساز ادارے کا درجہ دیتے ہوئے تاریخ میں پہلی مرتبہ 41 نکات پر قانون سازی کا حد دیا گیا اور مشیروں کی تعداد 5 سے بڑھا کر 7 کردی گئی، جبکہ پہلی مرتبہ خواتین ارکان کی تعداد 2 سے بڑھا کر 5 کردی گئی۔ اس طرح ناردرن ایریاز قانون ساز کونسل کی کل نشستیں 31 ہوگئیں جس میں 24 ارکان کا انتخاب عام انتخابات جبکہ پانچ خواتین ارکان کا انتخاب نامزدگی کے ذریعے کیا گیا اور خطے کی تاریخ میں پہلی بار سب سے بڑے عوامی فورم کو اسپیکر کے انتخاب کا حق دیا گیا، جس کے نتیجے میں بعدازاں استور سے تعلق رکھنے والے معروف قانون دان صاحب خان (موجودہ جج چیف کورٹ) پہلے اسپیکر منتخب ہوئے۔

نواز شریف کا پیکیج تیاری کے آخری مراحل میں تھا اور اس کا باقاعدہ اعلان 22 اکتوبر 1999ء کو نواز شریف نے اپنے متوقع دورہ گلگت بلتستان کے دوران کرنا تھا کہ 12 اکتوبر 1999ء کو ان کے اقتدار کا خاتمہ کر کے جنرل پرویز مشرف نے اقتدار سنبھالا۔ نواز شریف کے دور میں کرگل کی جنگ گلگت بلتستان کے حوالے سے انتہائی اہمیت کے حامل ئی اہمیت کے حامل ہے۔ اس جنگ کا آغاز مارچ 1999ء میں ہوا، جب گلگت بلتستان میں تعینات افواج نے مجاہدین کے نام پر کرگل کے ان علاقوں پر قبضہ کیا، جو 1971ء تک پاکستان کے قبضے میں تھے اور بعدازاں بھارت نے ان پر قبضہ کیا تھا اور دونوں ممالک سردیوں میں برف پوش پہاڑوں کو خالی کرتے تھے، اس کا فائدہ اٹھاتے ہوئے مارچ 1999ء میں پاکستانی افواج اور بعض مجاہدین گروپوں نے کرگل کی ان خالی بھارتی چوکیوں پر قبضہ کیا۔ مارچ اور اپریل میں خاموشی رہی، مئی کے ابتدائی دنوں میں جب بھارتی افواج اپنی چوکیوں کی طرف واپس آئے تو انہیں پتہ چلا کہ ان کی چوکیوں پر پہلے سے ہی پاکستانی افواج نے قبضہ کیا ہے۔

(جاری ہے)

گلگت بلتستان کی داخلی خودمختاری اور اصل حقائق (35)

عبدالجبار ناصر

اس دوران بھارتی وزیراعظم واجپائی نے پاکستان کا دورہ بھی کیا تھا اور اس دورے میں تنازع کشمیر کے حل کے حوالے سے نواز شریف اور واجپائی کے مابین کئی امور طے پائے تھے لیکن کرگل کی اس جنگ نے دونوں ملکوں کو بہت دور کر دیا، یہاں تک کہ دونوں ملکوں کے مابین ایک بڑی جنگ کا خطرہ پیدا ہوا۔

کرگل جنگ مئی سے جولائی تک جاری رہی۔ نواز شریف کے مطابق اس جنگ میں پاکستان کے 27 سو فوجی شہید ہوئے۔ ان میں سے اکثریت کا تعلق گلگت بلتستان سے ہی تھا۔ مقامی قوم پرستوں کے دعوے کے مطابق جاں بحق ہونے والوں میں سے 17 سو کا تعلق خطے سے تھا، تاہم اس حوالے سے کچھ سرکاری یا مصدقہ اعداد و شمار تا حال سامنے نہیں آئے۔ یہ بات درست ہے کہ واقعہ کرگل نے جہاں پاکستان کے لیے کئی مسائل پیدا کیے وہیں اس واقعے کے اکثر گوشے اب تک تحقیق طلب ہیں۔ 4 جولائی 1999ء کو مجبوراً نواز شریف کو امریکا جانا پڑا اور امریکی صدر کلنٹن سے جنگ بندی کے لیے مداخلت کی درخواست کرنی پڑی، یوں پاکستان اور بھارت کے مابین جنگ بندی عمل میں آئی، جس کے تحت پاکستانی افواج اور مبینہ مجاہدین نے قبضہ کی ہوئی چوٹیاں خالی کر دیں۔ بھارت نے واپسی پر اپنی بھرپور جارحیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے پاکستانی افواج کو شدید نقصان پہنچایا۔ کہا جاتا ہے کہ کرگل جنگ میں ہونے والے جانی نقصان کا ایک بڑا حصہ چوٹیاں خالی کر کے واپس آنے کے دوران ہوا۔

کرگل جنگ کی اس قدر ناقص منصوبہ بندی کس نے کی اور اس کی نگرانی کون کر رہا تھا؟ کیا وفاقی حکومت اس آپریشن سے باخبر تھی؟ ان تمام سوالات کا جواب اور اس جنگ سے پاکستان کو ہونے والے نقصان کی تحقیقات کے لیے اعلیٰ عدالتی تحقیقاتی کمیشن کا قیام ضروری ہے تاکہ اصل مجرموں کو سزا دی جا سکے۔ واقعہ کرگل ہی کے بعد خطے میں بڑے پیمانے پر پاکستان مخالف سرگرمیوں میں اضافہ ہوا۔

خطے کے لیے 90ء کی دہائی اس لیے بھی اہمیت کی حامل ہے کہ مقبوضہ کشمیر میں شروع ہونے والی آزادی کی مسلح جدوجہد کے بعد بھارت نے آزاد کشمیر کے سرحدی علاقوں پر جارحیت شروع کی، تاہم اکتوبر 1997ء تک گلگت بلتستان کے مقبوضہ کشمیر سے ملحقہ سرحدی علاقے اس جارحیت سے بچے ہوئے تھے، البتہ لوگوں میں خوف ضرور تھا۔ اکتوبر 1997ء میں پہلی بار بھارت نے گلگت بلتستان کے سرحدی علاقوں پر فائرنگ کا سلسلہ شروع کیا، جو نومبر 2003ء تک جاری رہا۔ اس دوران سرحدی علاقے قمری، گلشئی، منی مرگ، گلتری، کرگل، اولڈنگ، ترتک اور دیگر سرحدی علاقوں میں سینکڑوں افراد جاں بحق اور ایک بڑی تعداد زخمی ہوئی، جبکہ مجموعی طور پر یہ عرصہ خطے کی معاشی تباہی کا تھا،

جس میں مقامی لوگوں کو اربوں روپے کا نقصان ہوا۔ ایک اندازے کے مطابق سرحدی علاقوں میں ہونے والی اس جنگ کے باعث ہزاروں خاندانوں نے ہجرت کر کے گلگت، سکردو، راولپنڈی، پشاور، لاہور، ملتان، کراچی اور دوسرے شہروں کا رخ کیا۔ بھارتی جارحیت کے نتیجے میں ہونے والی تباہی سے مقامی لوگ نہ صرف معاشی طور پر تباہ ہوئے، بلکہ ان کی جانیں بھی ہمہ وقت خطرے سے دوچار رہتی تھیں، البتہ ان علاقوں کے اکثر لوگوں نے ہجرت کی بجائے ڈٹ کر بھارتی جارحیت کا مقابلہ کرنے کا فیصلہ کیا اور وہ اپنے فیصلے پر آخری وقت تک کاربند رہے۔

نواز شریف نے اپنے دونوں ادوار میں دوبار ان علاقوں کے لیے ریلیف پیکیجز کا اعلان کیا مگر ان پیکیجز کے تحت دی جانے والی امداد بہت ہی کم تھی اور اب بھی ضرورت اس امر کی ہے کہ حکومت ان علاقوں میں ہونے والی تباہی کے ازالے کے لیے عوام کی مدد کرے، بصورت دیگر کسی بھی مشکل وقت میں یہاں کے لوگ بھارتی جارحیت کا مقابلہ کرنے کی بجائے ہجرت کو ترجیح دیں گے۔

12 اکتوبر 1999ء کو پرویز مشرف کی مداخلت اور اقتدار پر قبضے کے بعد اس بات کا خدشہ تھا کہ ملک کے دیگر حصوں کی طرح گلگت بلتستان میں بھی پرویز مشرف انتخابات کو ملتوی کر کے جنرل ضیاء الحق کی طرح مارشل لا یا ایمرجنسی نافذ کر کے بلدیاتی اداروں اور ناردرن ایریاز کونسل کے انتخابات ملتوی کر دیں گے۔

ان انتخابات کا اعلان نواز شریف حکومت کے دوران ہی ہوا تھا اور کاغذات نامزدگی جمع کرنے کا مرحلہ بھی مکمل ہوا تھا۔ شیڈول کے مطابق 5 نومبر 1999ء کو 24 عام نشستوں کے لیے انتخابات ہونے تھے۔ ابتدائی دنوں میں انتخابات ہونے نہ ہونے کے حوالے سے شدید خدشات اور تحفظات کا اظہار ہوتا رہا، تاہم پرویز مشرف نے اقتدار پر قبضے کے بعد گلگت بلتستان کے معاملات کو مزید چھیڑنے کی بجائے جوں کے توں برقرار رکھا اور مقررہ وقت پر انتخابات کا اعلان کیا، جس کے بعد جاری کردہ شیڈول 3 اور 5 نومبر کو بالترتیب ناردرن ایریاز قانون ساز کونسل اور بلدیاتی اداروں کے انتخابات ہوئے۔ ان انتخابات کی خاص بات یہ تھی کہ پرویز مشرف کے اقتدار پر قبضے کے بعد الیکشن میں فوجی مداخلت کے جس خدشے کا اظہار کیا جا رہا تھا، اس کے برعکس فوج نے انتہائی غیر جانبدار کردار ادا کرتے ہوئے غالباً تاریخ میں پہلی مرتبہ شفاف انتخابات کرائے اور انتخابات میں مسلم لیگ (ن) نے نمایاں کامیابی حاصل کی، حالانکہ اس وقت پاکستان میں مسلم لیگ (ن) پرویز مشرف کے عتاب کا شکار اور نواز شریف جیل کی کال کوٹھریوں میں بند تھے۔ 4 لاکھ 93 ہزار 100 ووٹروں نے اپنا حق رائے دہی استعمال کیا۔ ان انتخابات کے نتیجے میں 24 جنرل نشستوں اور 5 خواتین نشستوں پر ناردرن ایریاز قانون ساز ارکان، 5 ضلع کونسل، 5 میونسپل کمیٹیز اور 105 یونین کونسل کے ارکان کا انتخاب کیا گیا، جن کی مجموعی تعداد 875 تھی۔ یہ خطے کے مجموعی طور پر آٹھویں اور جماعتی بنیادوں پر دوسرے انتخابات تھے۔

(جاری ہے)

گلگت بلتستان کی داخلی خودمختاری اور اصل حقائق (36)

عبدالجبار ناصر

انتخابات کے نتیجے میں مسلم لیگ (ن) اور مشرف مخالف جماعتیں واضح اکثریت میں کامیاب ہوئی تھیں، جس کی وجہ سے حکومت سازی اور نئے ارکان کی حلف برداری کا عمل تقریباً 5 مہینے تک رکا رہا، تاہم بعدازاں مئی 2000ء میں حکومت کا قیام عمل میں آیا، جس کے نتیجے میں بلتستان سے آزاد حیثیت سے منتخب ہونے والے رکن فدا محمد نوشاد کو ارکان کی بھاری اکثریت نے ڈپٹی چیف ایگزیکٹو منتخب کیا اور استور سے تعلق رکھنے والے رکن قانون ساز کونسل اور موجودہ جج چیف کورٹ آف گلگت بلتستان حاجی صاحب خان کو پہلی مرتبہ قانون ساز کونسل کا اسپیکر منتخب کیا۔ ان انتخابات میں ماضی کے مقابلے میں تحریک جعفریہ کو کامیابی نہیں ملی، اس کی جگہ پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ نے نمایاں کامیابی حاصل کی۔

1999ء کے اصلاحاتی پیکیج کے نتیجے میں قائم ہونے والی حکومت اور منتخب ارکان سے خطے کے عوام کو بڑی توقعات وابستہ تھیں، مگر 2004ء تک ان کا دور بھی مایوسیوں کا دور رہا۔ حکومت پاکستان کا دعویٰ تھا کہ خطے کے عوام کو خودمختاری دینے کے علاوہ کونسل کو قانون سازی کا حق دیا گیا ہے اور قانون سازی نہ کرنا کونسل کی نااہلی ہے، اس ضمن میں 2004ء میں ایک انٹرویو کے دوران راقم نے قانون ساز کونسل کے اسپیکر حاجی صاحب خان سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ حکومت کی جانب سے خطے کے سب سے بڑے عوامی فورم کو بااختیار بنانے کا دعویٰ صرف ایک دھوکہ ہے، ہمیں جن 49 نکات پر قانون سازی کا حق دیا گیا ہے، ان میں قانون سازی کی ضرورت ہی نہیں ہے، جبکہ اس وقت کے وزیر امور کشمیر اور چیف ایگزیکٹو شمالی علاقہ جات نثار اے میمن کا دعویٰ تھا کہ کونسل نے اختیارات ملنے کے باوجود قانون سازی نہیں کی، یہ اس کی نااہلی ہے۔

یہ خطے کے حوالے سے ذوالفقار علی بھٹو کے اصلاحاتی پیکیج کے بعد دوسرا بہت بڑا اہم پیکیج تھا۔ اس اصلاحاتی پیکیج کے اہم نکات میں ناردرن ایریاز کونسل کا نام قانون ساز کونسل رکھنا، مشیروں کی تعداد 5 سے بڑھا کر 7، مشیروں کو بااختیار بنانا، خواتین کی 3 نشستوں کا اضافہ کرنا، ضلع کونسل اور میونسپل کمیٹیز میں خواتین کی مخصوص نشستوں کا اضافہ کرنا، مقامی منتخب ادارے کے اسپیکر اور ڈپٹی اسپیکر کا انتخاب، 49 نکات پر قانون سازی کا حق، قانون سازی کے لیے مختلف بلوں کی منظوری کے حوالے سے تمام ضروری سہولیات کی فراہمی، کونسل سے منظور ہونے والے بل کو ایکٹ آف کونسل کہلانے، نیچی سطح کے قوانین کا نفاذ کرنا، بجٹ کا قانون کونسل کے سامنے پیش کرنا، ترقیاتی اسکیموں کی نگرانی، انسانی حقوق کے حوالے سے اہم ترامیم، عدالتی اصلاحات کے ذریعے چیف کورٹ کا قیام عمل میں لانا اور اس کو بااختیار بنانا، ٹیکسز کے نفاذ کے حوالے سے کونسل کو اختیار دینا، خطے کے لیے ایک نئے اپیلیٹ کورٹ کا قیام عمل میں لانا (جس کا

ایک چیئرمین اور 2 جج تھے) جیسے اور دیگر کئی اہم نکات پیکیج کا حصہ تھے۔ ذوالفقار علی بھٹو کے پیکیج کے بعد اس اصلاحاتی پیکیج کو دوسرا اہم پیکیج قرار دیا گیا، جس میں کسی حد تک خطے کے مسائل کو مدنظر رکھا گیا۔

پرویز مشرف نے نواز شریف کے دور میں تیار کیے گئے اصلاحاتی پیکیج میں کوئی بڑی تبدیلی نہیں کی، بلکہ مسلم لیگ (ن) کے تیار کردہ پیکیج کو ہی بہت معمولی تبدیلیوں کے ساتھ جاری کیا۔ بعدازاں 2004ء تک اس پیکیج میں مختلف ترامیم آتی رہیں اور 2002ء میں ترمیم کے ذریعے ڈپٹی اسپیکر کے عہدے کا اضافہ بھی شامل کیا گیا۔ پرویز مشرف کے ابتدائی دور میں وزیر امور کشمیر و شمالی علاقہ جات صوبہ سرحد سے تعلق رکھنے والے عباس سرفراز تھے۔ انہوں نے عوام کو ریلیف دینے اور اصلاحات کرنے کے بڑے اعلانات کیے، تاہم ان اعلانات پر عملدرآمد نہیں ہوا۔ نواز شریف کے تیار کردہ اور مشرف کے جاری کردہ پیکیج میں تاریخ میں پہلی مرتبہ سب سے بڑے مقامی عوامی فورم ناردرن ایریاز قانون ساز کونسل کے منتخب ڈپٹی چیف ایگزیکٹو کو گریڈ 18 تک کے ملازمین کے تبادلے کا اختیار بھی دیا گیا۔ اس کے علاوہ پیکیج میں بتایا گیا تھا کہ امور خارجہ، دفاع اور کرنسی کے علاوہ تمام دیگر معاملات منتخب اراکین کونسل کے اختیار میں ہوں گے اور خطے کا ڈپٹی چیف ایگزیکٹو با اختیار ہوگا۔

وزیر امور کشمیر کے پاس چیف ایگزیکٹو کا جو عہدہ ہے وہ صرف ایک نمائشی عہدہ ہوگا، مگر حقیقت اس کے برعکس تھی۔ تمام اختیارات کا منبع وزیر امور کشمیر اور شمالی علاقہ جات کے چیف ایگزیکٹو ہی تھے، جس کی وجہ سے عوام کے احساس محرومی میں اور اضافہ ہوا۔ پرویز مشرف نے اپنے 9 سالہ دور آمریت میں گلگت بلتستان کے نصف درجن کے قریب دورے کیے اور بڑے اعلانات کیے۔ مشرف خطے کے حالات سے اس لیے بھی واقف تھے کہ فوجی ملازمت کے دوران انہوں نے گلگت بلتستان کے مختلف علاقوں (منی مرگ، استور اور گلگت) میں فرائض انجام دیے تھے اور وہ خطے کے حالات اور لوگوں کے مطالبات سے کسی حد تک باخبر بھی تھے۔

(جاری ہے)

گلگت بلتستان کی داخلی خودمختاری اور اصل حقائق (37)

عبدالجبار ناصر

بعض قوم پرست اور مذہبی افراد سابق صدر پرویز مشرف پر 1988ء کے مذہبی فسادات میں ملوث ہونے کا بھی الزام لگاتے ہیں، جبکہ 1999ء کا سانحہ کرگل مشرف کا ہی ''کارنامہ'' تھا، کیونکہ وہ اس وقت پاک فوج کے سربراہ تھے۔ مسلم لیگ (ن) کے مختلف راہنماؤں کے مطابق 1996ء میں بے نظیر بھٹو کے سامنے بھی کرگل آپریشن کا منصوبہ رکھا گیا تھا مگر انہوں نے انکار کیا۔ نواز شریف اور ان کے ساتھیوں کے مطابق کرگل آپریشن سے ان کو لاعلم رکھا گیا تھا، دوسری جانب پرویز مشرف اور بعض سابق فوجی افسران کے مطابق نواز شریف کو آپریشن کا نہ صرف علم تھا بلکہ ان کی اجازت سے یہ آپریشن ہوا۔ نواز شریف کی لاعلمی کے حوالے سے 28 مئی 1999ء کو کراچی میں مزار قائد پر یوم تکبیر کی تقریب سے ان کا خطاب ایک واضح مثال ہے، جس میں انہوں نے کہا تھا کہ ''آج ہماری افواج نے آزاد کشمیر کے علاقے کرگل میں بھارت کے 2 طیارے مار گرائے ہیں'' حالانکہ بھارتی طیارے گرانے کا واقعہ گلگت بلتستان میں پیش آیا تھا، راقم اس جلسے میں خود بھی موجود تھا۔

بہرحال سابق صدر پاکستان جنرل (ر) پرویز مشرف نے اپنے دور اقتدار میں گلگت بلتستان پر کافی توجہ دی، ان کے دور میں ترقیاتی منصوبوں کا جال بچھایا گیا اور لوگوں کو بڑی سہولیات میسر آئیں۔ ان کے دور میں سڑکوں کے نظام کو بہتر بنانے پر خصوصی توجہ دی گئی۔ اس کی بنیادی وجہ کرگل جنگ میں آمدورفت کے لیے سڑکوں کے نہ ہونے کے باعث پیش آنے والی مشکلات بتائی جاتی ہیں۔ وجہ کچھ بھی ہو بہرحال مجموعی طور پر جنرل (ر) پرویز مشرف نے گلگت بلتستان کی ترقی کے لیے خصوصی اقدامات کیے، جو قابل تعریف ہیں۔

2004ء میں قانون ساز کونسل نے اپنی قانونی مدت پوری کی اور اس کے بعد ایک نئے پیکیج کی تیاری عمل میں آئی، اگرچہ اس پیکیج کا اعلان 12 اکتوبر 2004ء کے انتخابات سے قبل کرنا تھا مگر اس کا اعلان تقریباً 4 مہینے تک قسطوں میں ہوتا رہا۔ اس پیکیج میں گلگت بلتستان کا بجٹ 80 کروڑ سے بڑھا کر 4 ارب روپے کیا گیا اور گلگت بلتستان کے ایک اور انتظامی یونٹ کا اضافہ کیا گیا۔ استور کو ضلع بنانے کا عوامی مطالبہ گزشتہ 20 سال سے جاری تھا اور نواز شریف اپنے دوسرے دور میں 22 اکتوبر 1999ء کو استور میں اس کا باقاعدہ اعلان کرنے والے تھے، جس کے لیے تمام تیاریاں مکمل کر لی گئی تھیں، تاہم اس سے قبل ہی ان کی حکومت برخاست کردی گئی۔ عوام کے دیرینہ مطالبے کو مدنظر رکھتے ہوئے جنرل (ر) پرویز مشرف کی ہدایت پر 11 اکتوبر 2004ء کو ضلع استور کے قیام کا باقاعدہ اعلان کیا گیا۔ اس طرح گلگت بلتستان انتظامی حوالے سے 5 کی بجائے 6 یونٹوں میں تقسیم ہوگیا۔ استور ضلع دیامر کی ایک تحصیل تھی، تاہم ضلع استور کے قیام کے بعد اس کے دیگر انتظامی امور 2007ء تک وقتاً فوقتاً طے ہوتے رہے، جبکہ ضلع کونسل

2005ء میں الگ کی گئی۔

12 اکتوبر 2004ء کے انتخابات میں کامیابی کے لیے مسلم لیگ (ق) کی قیادت نے انتہائی کوشش کی مگر انہیں کامیابی نہیں ملی، تاہم الیکشن کے بعد انہوں نے آزاد حیثیت میں کامیاب ہونے والے نصف درجن سے زائد ارکان کو مسلم لیگ (ق) میں شامل کر کے ایک مصنوعی کامیابی حاصل کر لی۔ انتخابات میں مجموعی طور پر پیپلز پارٹی کو واضح برتری حاصل تھی، تاہم ہارس ٹریڈنگ اور انتظامی دباؤ کی وجہ سے نہ صرف پیپلز پارٹی کے کئی ارکان نے اپنی وفاداریاں تبدیل کیں، بلکہ آزاد ارکان بھی مسلم لیگ (ق) کی حمایت کرنے پر مجبور ہو گئے۔ اس طرح پیپلز پارٹی کو حکومت بنانے سے روک دیا گیا اور یوں 22 نومبر 2004ء کو مسلم لیگ (ق) کے امیدوار میر آف ہنزہ میر غضنفر علی خان مجموعی طور پر نویں اور جماعتی بنیاد پر ہونے والے تیسرے انتخابات میں خطے کے تیسرے ڈپٹی ایگزیکٹو منتخب ہوئے اور 7 مشیر لیے گئے۔ قبل ازیں قانون ساز کونسل نے دیامر سے تعلق رکھنے والے معروف سیاسی رہنما ملک محمد مسکین کو کونسل کا اسپیکر اور بلتستان سے تعلق رکھنے والے معروف قانون دان اسد زیدی کو ڈپٹی اسپیکر منتخب کیا۔ حکومت سازی کے عمل کے بعد ٹیکنو کریٹ اور خواتین کی 6، 6 نشستوں کے لیے 12 ارکان کا انتخاب کیا گیا۔ اس طرح قانون ساز کونسل کے ارکان کی مجموعی تعداد 36 ہو گئی، جن میں سے 24 ارکان کا انتخاب عام انتخابات کے ذریعے کیا گیا۔ ٹیکنو کریٹ اور خواتین کی نشستوں کے لیے منتخب کیے گئے 12 میں سے 10 ارکان کا تعلق مسلم لیگ (ق) سے تھا۔ یوں مسلم لیگ (ق) ایک مصنوعی طریقے سے دو تہائی اکثریت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی۔

جنرل (ر) پرویز مشرف نے 23 اکتوبر 2007ء کو گلگت میں مزید اصلاحات کا اعلان کیا جس کے تحت رولز آف بزنس میں ترمیم کر کے قانون ساز کونسل کو قانون ساز اسمبلی کا درجہ دیا گیا اور ڈپٹی چیف ایگزیکٹو کو چیف ایگزیکٹو کا عہدہ دیا گیا، جبکہ وزیر امور کشمیر کو اس کا چیئرمین بنایا گیا۔ اس طرح قانون ساز کونسل کا نام نئے اصلاحاتی پیکیج کے مطابق ناردرن ایریاز قانون ساز اسمبلی رکھا گیا، اسی طرح چیف ایگزیکٹو، اسپیکر اور ڈپٹی اسپیکر کے خلاف عدم اعتماد لانے کا اختیار قانون ساز اسمبلی کو دیا گیا جبکہ مالیاتی اصلاحات کے تحت خطے کا بجٹ 4 ارب سے بڑھا کر 7 ارب روپے کیا گیا۔ جنرل (ر) پرویز مشرف کے اصلاحاتی پیکیج میں دیگر کئی اہم تجاویز شامل تھیں۔ جنرل (ر) پرویز مشرف کے دور میں ایک اور پیکیج بھی تیار کیا گیا تھا، جس کا اعلان نہیں ہوا، تاہم اس کا ڈرافٹ تیار تھا۔ ذرائع کے مطابق پرویز مشرف کے اقتدار کے آخری دنوں میں تیار کیے جانے والے اس اصلاحاتی پیکیج میں کئی حوالوں سے خطے کے عوام کو ان کی منشا کے مطابق ریلیف دیا گیا تھا اور اس کی تیاری میں نہ صرف مقامی قانون ساز اسمبلی کو اعتماد میں لیا گیا تھا، بلکہ اصلاحاتی پیکیج میں ڈرافٹ میں شامل اکثر نکات قانون ساز اسمبلی کی آئینی کمیٹی کے تیار کردہ تھے، جس میں پیپلز پارٹی گلگت بلتستان کے صدر جعفر شاہ (موجودہ جج اپیلیٹ کورٹ) اور مسلم لیگ (ن) گلگت بلتستان کے صدر حافظ حفیظ الرحمٰن

سمیت 5 ارکان شامل تھے۔ اس اصلاحاتی پیکیج میں قانون ساز اسمبلی کی تجاویز اور ترامیم کو شامل کیا گیا تھا، تاہم جنرل (ر) پرویز مشرف تاریخ میں پہلی مرتبہ قانون ساز اسمبلی کی مرتب اور تجویز کردہ ترامیم کے حوالے سے ترمیمی اصلاحاتی پیکیج کا اعلان نہ کر سکے اور 18 اگست 2008ء کو انہیں اقتدار چھوڑنا پڑا۔ گلگت بلتستان پر جنرل (ر) پرویز مشرف کا کنٹرول مارچ 2007ء میں پاکستان میں پیپلز پارٹی کی حکومت کے قیام کے بعد ہی ختم ہوا تھا۔

گلگت بلتستان کی داخلی خودمختاری اور اصل حقائق (38)

عبدالجبار ناصر

مجموعی طور پر جب ہم مشرف کے دور کا جائزہ لیتے ہیں تو خطے کے حوالے سے تعمیر و ترقی پر خصوصی توجہ دی گئی اور کئی اہم اصلاحاتی اقدامات بھی کیے گئے تاہم اس دوران مسلم لیگ (ق) کی قیادت اور وزرائے اعظم کا کردار گلگت بلتستان کے حوالے سے انتہائی افسوس ناک اور قابل مذمت رہا۔ یہی وجہ ہے کہ گلگت بلتستان میں مسلم لیگ (ق) کو پرویز مشرف لیگ (پی ایم ایل) کہا جاتا ہے، کیونکہ 2002ء سے 2007ء تک میر ظفراللہ خان جمالی، چودھری شجاعت حسین، شوکت عزیز اور محمد میاں سومرو وزیراعظم کے عہدے پر رہے مگران میں سے کسی ایک کو بھی خطے کا دورہ کرنے کی توفیق نہیں ہوئی اور جن لیگی رہنماؤں بالخصوص نثاراے میمن، اقبال ڈار اور دیگر نے مختلف مسائل پر آواز اٹھائی انہوں نے بھی مسلم لیگ (ق) کی بجائے پرویز مشرف کے نام کو زیادہ استعمال کیا۔ یہی وجہ ہے کہ حالیہ انتخابات میں مسلم لیگ (ق) کے بیشتر رہنماؤں نے پارٹی چھوڑ کر مسلم لیگ (ن) یا پیپلز پارٹی میں شمولیت اختیار کی ہے اور گلگت بلتستان میں بھی مسلم لیگ (ق) کا وہی حشر ہو رہا ہے جو ملک بھر میں ہوا۔

18 فروری 2007ء کے عام انتخابات کے نتیجے میں 24 مارچ 2007ء کو پاکستان پیپلز پارٹی کے نامزد وزیراعظم سید یوسف رضا گیلانی نے اقتدار سنبھالا۔ یوسف رضا گیلانی ملکی تاریخ میں پہلی مرتبہ متفقہ طور پر منتخب ہونے والے وزیراعظم ہیں۔ ابتدائی چند ماہ تک پیپلز پارٹی نے گلگت بلتستان کے حوالے سے خاموشی اختیار کی، بعدازاں وزیر امور کشمیر و چیئرمین گلگت بلتستان کا عہدہ موجودہ وزیر اطلاعات قمر زمان کائرہ کو ملنے کے بعد ایک مرتبہ پھر پیپلز پارٹی گلگت بلتستان کی قیادت نے خطے میں نئے انتخابات اور اصلاحاتی پیکیج کے حوالے سے کوششیں شروع کردیں۔ اس ضمن میں پیپلز پارٹی کی اعلیٰ قیادت نے خطے کے عوام کے مطالبات ذوالفقار علی بھٹو اور بے نظیر بھٹو کے مثبت اقدامات اور پرویز مشرف کے آخری دور میں تیار کیے گئے اصلاحاتی پیکیج کو مدنظر رکھتے ہوئے نئے اصلاحاتی پیکیج کے لیے 2008ء میں چار رکنی کمیٹی قائم کی، جس کے سربراہ اس وقت کے وزیر قانون فاروق حمید نائیک (موجودہ چیئرمین سینیٹ) تھے، جبکہ دیگر ارکان میں وفاقی وزیر امور کشمیر و چیئرمین شمالی علاقہ جات قمر زمان کائرہ، پیپلز پارٹی گلگت بلتستان کے اس وقت کے صدر جعفر شاہ (اب جج اپیلٹ کورٹ) اور سندھ کے سابق آئی جی افضل شگری شامل تھے۔

کہا جاتا ہے کہ وزارت امور کشمیر و شمالی علاقہ جات نے وزارت قانون، وزارت خارجہ، وزارت داخلہ، وزارت مذہبی امور اور دیگر وزارتوں سے مشاورت کے بعد ایک ڈرافٹ تیار کیا اور مشرف کے تیار کردہ اصلاحاتی پیکیج میں اس ڈرافٹ کی تجاویز شامل کی گئیں اور پرانی اور نئی تجاویز پر مشتمل نیا ڈرافٹ تیار کیا گیا، جس میں تنازع کشمیر کے

حوالے سے اقوام متحدہ اور پاکستان کے موقف، مقامی عوام کی خواہش اور خطے کی قانونی اور آئینی پوزیشن کو مدنظر رکھا گیا۔2008ء کے آخری اور2009ء کے ابتدائی سہ ماہی میں اس ڈرافٹ پر کام تقریباً مکمل ہو گیا تھا، جس کے تحت خطے کے لیے ایک نیا نظام تیار کیا گیا اور فیصلہ کیا گیا کہ 2009ء کے جون سے پہلے پہلے اصلاحاتی پیکیج کا اعلان کیا جائے گا، تاہم مارچ2009ء میں فاروق حمید نائیک کے سینیٹ کے چیئرمین، شیری رحمٰن کے استعفے کے بعد قمر زمان کائرہ کے وزیر اطلاعات اور پیپلز پارٹی گلگت بلتستان کے صدر جعفر شاہ کے گلگت بلتستان اپیلٹ کورٹ کے جج بننے کے بعد اصلاحاتی پیکیج پر کام روک دیا گیا، تاہم جولائی2009ء کے شروع میں گلگت بلتستان کے حوالے سے اصلاحاتی پیکیج پر ایک مرتبہ پھر کام شروع کیا گیا۔4 جولائی2009ء کو اسلام آباد میں ہونے والے اہم اجلاس میں سابق ڈرافٹ پر غور کر کے اس میں بعض ترامیم کی گئیں اور اسے حتمی شکل دی گئی، جس کے بعد ڈرافٹ متعلقہ اداروں کو بھیج دیا گیا۔

4 جولائی2009ء کو حتمی شکل پانے والے ڈرافٹ میں گلگت بلتستان کو ایک ریجن قرار دیا گیا اور سب سے بڑا مقامی عوامی فورم ناردرن ایریاز قانون ساز اسمبلی کو گلگت بلتستان قانون ساز اسمبلی کا نیا نام دے کر اس کی نشستوں میں اضافہ تجویز کیا گیا، جس کے مطابق عام نشستوں کی تعداد24 سے بڑھا کر 30، جبکہ ٹیکنو کریٹ کی نشستیں 6 سے کم کر کے 3 کرنے کی کوشش کی گئی اور خواتین کے لیے مخصوص نشستوں میں بھی ایک نشست کا اضافہ کر کے 6 نشستیں کر دی گئیں۔اسی طرح قانون ساز اسمبلی کے ارکان کی تعداد36 سے بڑھا کر 40 کر دی گئی تاہم 4 جولائی2009ء کا تیار کردہ اصلاحاتی پیکیج کا ڈرافٹ20 اگست تک منظر عام پر نہیں آیا۔اس دوران اس ڈرافٹ میں مزید تبدیلیاں کی گئیں اور ایک نیا مسودہ تیار کیا گیا جو 4 جولائی2009ء کے مسودے سے بالکل مختلف تھا۔29 اگست2009ء کو کابینہ کے اجلاس میں اس مسودے کو حتمی شکل دے کر اسے منظور کیا گیا، جس کے مطابق گلگت بلتستان کے لیے قانون ساز اسمبلی کے علاوہ وزیر اعظم کی سربراہی میں 15 رکنی گلگت بلتستان کونسل (ایوان بالا) قائم کر دی گئی، جبکہ گورنر اور وزیر اعلیٰ کے انتظامی عہدے دینے کا بھی اعلان کیا گیا۔اس اصلاحاتی پیکیج کو گلگت بلتستان امپاورمنٹ اینڈ سیلف گورننس آرڈر 2009ء کا نام دیا گیا۔اسی روز وزیر اعظم پاکستان سید یوسف رضا گیلانی نے کابینہ کے اجلاس کے بعد پریس کانفرنس میں اس پیکیج کا باقاعدہ اعلان کیا، جبکہ صدر پاکستان آصف علی زرداری نے 7 ستمبر2009ء کو اصلاحاتی پیکیج پر دستخط کر دیے۔9 ستمبر2009ء کو متعلقہ اداروں نے اصلاحاتی پیکیج کے حوالے سے سرکاری اعلامیہ جاری کر دیا۔

اس نئے پیکیج کے منظر عام پر آنے کے بعد کسی نے حکومت کے اس کو خطے کے عوام کی امنگوں کے مطابق، کسی نے پاکستان کا پانچواں صوبہ بنانے کی کوشش، کسی نے آزاد کشمیر طرز کا سیٹ اپ، کسی نے آغا خان ریاست کی بنیاد، کسی نے

ایک آزاد و خود مختار ریاست، کسی نے نو آبادیاتی ریاست اور کسی نے لوکل بلدیاتی اتھارٹی کے قیام کا حربہ قرار دیا اور یہ سلسلہ اب جاری ہے اور ہر شخص اپنی بولی بول رہا ہے۔ افسوس یہ ہے کہ اکثر لوگوں نے اس پیکیج کے انتہائی اہم اور باریک نکات پر غور کرنے کی کوشش نہیں کی، جبکہ خطے کے عوام کو الیکشن کے نام پر پیکیج پر غور کرنے سے دور رکھا گیا۔

(جاری ہے)

گلگت بلتستان کی داخلی خودمختاری اور اصل حقائق (39)

عبدالجبار ناصر

ajnasir1@gmail.com

15 ستمبر 2009ء کو گلگت بلتستان کی تاریخ کے دوسرے اور 1947ء کے بعد نامزد کردہ پہلے گورنر قمر زمان کائرہ نے اپنے عہدے کا حلف اٹھایا۔ گلگت بلتستان میں پہلے گورنر کی تقرری جولائی 1947ء کو مہاراجہ ہری سنگھ نے کی تھی اور انہوں نے یکم اگست 1947ء کو گلگت میں اپنے عہدے کا چارج سنبھالا، جب وہ گلگت پہنچے تو ان کا والہانہ استقبال کیا گیا مگر ان کے عہدے کا اختتام یکم نومبر 1947ء کو گرفتاری کے ساتھ ہی ہوا۔ اسی طرح 15 ستمبر 2009ء کو قمر زمان کائرہ نے نامزد گورنر کی حیثیت سے حلف اٹھایا، گلگت آمد کے موقع پر ان کا بھرپور استقبال کیا گیا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ان کے اقتدار کا اختتام کس انداز میں ہوتا ہے۔ خطے کے عوام کے ایک بڑا طبقہ دونوں گورنروں کی تقرری کو نہ صرف ناپسند کرتا ہے، بلکہ خلاف قانون اور اخلاق قرار دے کر مسترد کرتا ہے لیکن اس عمل کو درست ماننے والوں کی بھی کمی نہیں ہے۔ حکومت کا یہ اقدام صحیح ہے یا غلط اس کا فیصلہ تو آنے والے چند سال ہی کریں گے۔

گزشتہ کئی سالوں سے عوام کا مطالبہ تھا کہ گلگت بلتستان کے حوالے سے تیارہ کردہ کسی بھی پیکیج کی تیاری اور اعلان سے قبل سب سے بڑے مقامی عوامی فورم گلگت بلتستان قانون ساز اسمبلی کو اعتماد میں لیا جائے مگر جب 1970ء سے 29 اگست 2009ء تک دیے جانے والے اصلاحاتی پیکیجز کا بغور مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ کہیں پر بھی خطے کے اس سب سے بڑے عوامی فورم کو اعتماد میں نہیں لیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی بھی پیکیج تنقید سے بالاتر نہیں رہا، البتہ ذوالفقار علی بھٹو کے دور میں دیے گئے پیکیج کو اس لیے اہمیت حاصل ہوگئی کہ اس میں کی گئی بیشتر اصلاحات عوام کی مرضی اور خواہش کے مطابق تھیں اور اس پیکیج کی تیاری میں اجلال حسین زیدی کا بنیادی کردار تھا، جنہوں نے اسسٹنٹ پولیٹکل ایجنٹ، پولیٹکل ایجنٹ اور ریذیڈنٹ کی حیثیت سے گلگت بلتستان میں کئی سال گزارے تھے۔ وہ مقامی لوگوں کی خواہش سے کسی حد تک باخبر تھے۔ یہی وجہ ہے کہ بھٹو دور کے اصلاحاتی پیکیج کی تیاری میں اجلال حسین زیدی کا بہت اہم کردار رہا۔ تاہم انہوں نے بھی کوئی متفقہ فارمولا طے کرنے کے لیے خطے کے تمام طبقات کو اعتماد میں نہیں لیا اور حالیہ پیکیج میں بھی حکومت پاکستان نے خطے کے عوام اور گلگت بلتستان قانون ساز اسمبلی کو اعتماد میں نہیں لیا۔

اس ضمن میں اسمبلی کے منتخب چیف ایگزیکٹو میر غضنفر علی خان، اسپیکر ملک محمد مسکین، ڈپٹی اسپیکر وزیر ولایت علی، قائد حزب اختلاف اور مسلم لیگ ن کے مقامی صدر حافظ حفیظ الرحمٰن، مشیروں اور ارکان اسمبلی نے واضح طور پر کہا کہ موجودہ (2009ء) پیکیج کی تیاری میں کسی بھی سطح پر حکومت نے منتخب نمائندوں کو اعتماد میں نہیں لیا۔ غیر رسمی گفتگو میں

پیپلز پارٹی کے ارکان بھی اس کا اعتراف کرتے ہیں، تاہم پارٹی ڈسپلن کی وجہ سے وہ کھلے عام اس پر بحث کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ دوسری طرف مقامی عوامی فورم کو اعتماد میں نہ لینے پر عوام کی اکثریت نے اس پر شدید تحفظات کا اظہار کیا، حالانکہ گلگت بلتستان قانون ساز اسمبلی کے ارکان متعدد بار قرارداد کے ذریعے مطالبہ کر چکے تھے کہ کسی بھی اصلاحاتی پیکیج سے قبل گلگت بلتستان کے سب سے بڑے عوامی فورم کے ارکان کو اعتماد میں لیا جائے۔

پیپلز پارٹی کی قیادت نے نہ صرف ایسا کرنے سے گریز کیا بلکہ اگر کسی فورم پر کسی رکن نے اس حوالے سے کوئی آواز اٹھائی تو اس کو سختی سے دبایا گیا۔ چناں چہ گلگت بلتستان قانون ساز اسمبلی کے رکن عمران ندیم نے اگست میں جیو ٹی وی کے پروگرام ''جرگہ'' (جس کے میزبان معروف صحافی سلیم صافی ہیں) میں دورانِ گفتگو جب کہا کہ حکومت خطے کے حوالے سے کسی بھی پیکیج کی تیاری میں خطے کے عوام سے مشاورت نہیں کر رہی ہے اور ہمیں یہ معلوم نہیں کہ حکومت کیا دینے جا رہی ہے، لہٰذا پیکیج سے پہلے عوام کو اعتماد میں لیا جائے، تو اس پر وفاقی وزیر بابر اعوان نے انتہائی توہین آمیز رویہ اختیار کرتے ہوئے ترش لہجے میں جواب دیا کہ آپ کون ہوتے ہیں اس طرح کی بات کرنے والے، ہماری مرضی ہے جو چاہیں دیں۔ چاہیے تو یہ تھا کہ عمران ندیم اس موقع پر بابر اعوان کے اس ترش لہجے اور خطے کے 20 لاکھ عوام کی توہین کا بھرپور جواب دیتے مگر افسوس کہ انہوں نے پیپلز پارٹی کے ٹکٹ کی خاطر بابر اعوان کی ان توہین آمیز باتوں کا کوئی جواب نہیں دیا، جس کو خطے کے ہر فرد نے محسوس کیا۔

حکومت پاکستان کی جانب سے مقامی لوگوں کو اعتماد میں نہ لینے کی اسی روش کے باعث پیکیج کے اعلان کے ساتھ ہی مختلف طبقوں کی طرف سے مذمتی بیانات کا سلسلہ انتہائی تیز ہوا، بالخصوص کشمیری قیادت نے اصلاحاتی پیکیج پر شدید تحفظات کا اظہار کرتے ہوئے اسے کشمیر دشمن قرار دے کر کلی طور پر مسترد کر دیا۔ مقبوضہ کشمیر کے معروف کشمیری رہنما یاسین ملک نے اپنے بیان میں اس اصلاحاتی پیکیج کو تنازع کشمیر کے حوالے سے کشمیریوں کی پیٹھ پر چھرا گھونپنے کے مترادف قرار دیا، جبکہ وزیر اعظم آزاد کشمیر سردار یعقوب خان (موصوف اپنے عہدے سے حال ہی میں مستعفی ہو گئے ہیں)، جموں و کشمیر لبریشن فرنٹ کے سربراہ امان اللہ خان، مسلم کانفرنس کے رہنما سردار عتیق احمد، جموں و کشمیر پیپلز پارٹی کے سربراہ سردار خالد ابراہیم، جماعت اسلامی آزاد کشمیر کے رہنما عبدالرشید ترابی، اسپیکر قانون ساز اسمبلی آزاد کشمیر شاہ غلام قادر اور دیگر نے بھی شدید تحفظات کا اظہار کیا، البتہ مقبوضہ کشمیر میں موجود بعض کشمیری قائدین میر واعظ عمر فاروق، سید علی گیلانی، محبوبہ مفتی اور دیگر کے موقف میں زیادہ سختی نہیں تھی۔ ان کا کہنا تھا کہ اگر حکومت پاکستان اقوام متحدہ کی قراردادوں کے اندر رہتے ہوئے گلگت بلتستان کے عوام کے لیے اصلاحات تجویز کرتی ہے تو اس پر اعتراض نہیں ہونا چاہیے، مگر ان اصلاحات کے نتیجے میں تنازع کشمیر کو نقصان نہیں پہنچنا چاہیے۔

کشمیری رہنماؤں کے ساتھ ساتھ گلگت بلتستان کے قوم پرستوں کی ایک بہت بڑی تعداد نے بھی اس پیکیج کو کلی طور پر مسترد کرتے ہوئے اسے عوام کو بے وقوف بنانے اور مزید کئی عرصے تک انہیں بنیادی حقوق سے محروم کرنے کی سازش قرار دے دیا۔ اس ضمن میں گلگت بلتستان یونائیٹڈ موومنٹ، بلاورستان نیشنل فرنٹ (حمید گروپ)، بلاورستان نیشنل فرنٹ (ناجی گروپ) اور دیگر نے پیکیج کے کئی نکات پر شدید تحفظات کا اظہار کرتے ہوئے موقف اختیار کیا کہ پیکیج میں دیے گئے اختیارات پاکستان میں موجود بلدیاتی اداروں کو حاصل اختیارات سے بھی کم ہیں اور نئے گورنر اور ایک اور ایوان بالا کی شکل میں تمام اختیارات مرکز نے اپنے پاس رکھے ہیں، عوام کو اصلاحات کے نام پر دھوکا دیا گیا ہے۔ گلگت بلتستان کے بعض دیگر رہنماؤں نے بھی اس پر شدید تحفظات کا اظہار کیا، البتہ عوام کا ایک بڑے طبقہ اسے آزادی کے مترادف قرار دیتے ہوئے انتہائی خوش ہے اور اس کی مخالفت کرنے والوں کو غدار قرار دے رہا ہے۔

دراصل پیکیج کی تاریخ اور اس پر تنقید کرنے والوں میں سے اکثر نے اس وقت تک اس پیکیج پر تفصیلی غور و خوض نہیں کیا اور جلد بازی میں تنقیدی اور توصیفی بیانات دے دیے، حالانکہ ضرورت اس امر کی تھی کہ تنقید اور توصیف سے پہلے اصلاحاتی پیکیج کا باریک بینی سے مطالعہ کیا جاتا۔

گلگت بلتستان امپاورمنٹ اینڈ سیلف گورننس آرڈر 2009ء پر کئی قلم کاروں نے کالم بھی لکھے اور اپنے اپنے تجزیات بھی پیش کیے، مگر حقیقت یہ ہے کہ بیشتر نے اس کا بغور مطالعہ ہی نہیں کیا۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر نے اصلاحاتی پیکیج کی اہم چیزوں کا ذکر کرنے کی بجائے وزیر اعظم سید یوسف رضا گیلانی کے پریس کانفرنس کے دوران دیے گئے نکات کو ہی توصیف کا جواز یا تنقید کا نشانہ بنایا، حالانکہ اصلاحاتی پیکیج کا مکمل مطالعہ اور اس کے ایک ایک نکتے پر غور کرنا انتہائی لازم ہے۔ اس کے بغیر اصلاحاتی پیکیج پر تنقید یا اس کی توصیف بے معنی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے اس پر تنقید یا اس کی توصیف سے پہلے اس پیکیج کو عوام کے سامنے پیش کرنے کی کوشش کی ہے، آئندہ اقساط میں گلگت بلتستان امپاورمنٹ اینڈ سیلف گورننس آرڈر 2009ء کے مسودے کو مطالعے کے لیے پیش کیا جائے گا، تاکہ قارئین خود فیصلہ کر سکیں کہ کون سی چیز صحیح یا غلط ہے؟ اور اس کے آخر میں ہم اس آرڈر کے گلگت بلتستان کے مستقبل پر پڑنے والے مثبت اور منفی اثرات کا بھی ذکر کریں گے تاکہ اصل صورت حال عوام کے سامنے آسکے۔

(جاری ہے)

گلگت بلتستان کی داخلی خود مختاری اور اصل حقائق (40)

عبدالجبار ناصر

ajnasir1@gmail.com

موجودہ حکومت کی جانب سے گلگت بلتستان امپاورمنٹ اینڈ سیلف گورننس آرڈر 2009ء کے اجراء کے بعد مختلف اطراف سے مختلف خدشات اور مطالبات سامنے آرہے ہیں اور مطالبات کرنے والوں میں خطے کے اپنے لوگ شامل ہیں، اس لیے حکومت کے اصلاحاتی پیکیج کو پیش کرنے سے پہلے خطے کے عوام کی خواہشات، خدشات اور امکانات کا جائزہ لینا ضروری ہے۔گلگت بلتستان کی بدقسمتی یہ ہے کہ یہاں بسنے والوں کی ایک بڑی تعداد آئینی اور قانونی پوزیشن کے حوالے سے خطے کی تاریخی اور جغرافیائی اور تہذیبی بنیادوں کو مدنظر رکھنے کی بجائے نسلی، مذہبی اور علاقائی معاملات کو پیش نظر رکھتی ہے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ 62 سال بعد بھی خطے کے عوام اپنی قانونی اور آئینی پوزیشن سے محروم ہیں، اس لیے ہم یہاں پر ترتیب وار مختلف خیالات پیش کر رہے ہیں تاکہ خطے کی صورت حال، عوامی خواہشات، خدشات اور امکانات کو سمجھنے میں آسانی ہو۔ ان امکانات، خدشات اور خواہشات کو پیش کرنے کا مقصد خطے کے حوالے سے مختلف لوگوں کے مختلف موقف کو عوام کے سامنے پیش کرنا ہے، نہ کہ کسی طبقے کی تعریف یا تنقید کرنا مقصود ہے۔

(1) خطے کے ایک بڑے طبقے کا مطالبہ ہے کہ یکم نومبر 1947ء کی آزادی کے بعد گلگت بلتستان کے عوام نے پاکستان کے ساتھ غیر مشروط الحاق کیا ہے، لہٰذا گلگت بلتستان کو پاکستان کا پانچواں صوبہ بنایا جائے۔ دراصل اس مطالبے کے پس پردہ ایک مذہبی خواہش شامل ہے۔ یہ مطالبہ کرنے والوں کی اکثریت اہل تشیع سے تعلق رکھتی ہے۔ صوبہ بنانے میں ان کو یہ فائدہ نظر آتا ہے کہ خطے کی مجموعی آبادی کا 38 فیصد ہونے کی وجہ سے انہیں برتری حاصل ہے اور اہل تشیع خطے کے 6 میں سے 5 اضلاع میں موجود ہیں اور ایک ضلع دیامر میں اہل تشیع کی آبادی بالکل نہیں ہے۔ پانچویں صوبے کے مطالبے پر عملدرآمد کی صورت میں نظام حکومت ان کے ہاتھ میں آئے گا اور یہ عملاً ایک شیعہ اسٹیٹ بن جائے گا، کیونکہ صوبے کے مطالبے میں پیش پیش اہل تشیع کے اہم لوگ شامل ہیں۔ اگرچہ دیگر مکاتب فکر کے لوگ بھی اس میں شامل ہیں مگر ان کی تعداد بہت ہی کم ہے۔ بعض قوم پرستوں کے دعویٰ کے مطابق اس مطالبے کو ایران کی حمایت بھی حاصل ہے اور مطالبہ کرنے والوں کو امید ہے کہ گلگت بلتستان پاکستان کا پانچواں صوبہ بننے کی صورت میں جہاں اہل تشیع کے پاس ایک اکثریتی صوبہ آجائے گا، وہیں ملک کے دیگر حصوں میں آباد اہل تشیع کے حقوق کا تحفظ کرنے میں بھی اس سے آسانی ہوگی۔ دراصل اس مطالبے کے ذریعے ایک طبقہ دیگر مکاتب فکر پر غلبہ چاہتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ یہ طبقہ صوبے سے کم کوئی بات ماننے کے لیے تیار نہیں ہے اور مطالبہ کرنے والوں میں اکثریت سخت گیر مذہبی

لوگوں کی ہے۔

(2) خطے کے عوام کے ایک بڑے طبقے کا مطالبہ ہے کہ گلگت بلتستان کو آزاد کشمیر میں ضم کر کے پاکستان کا پانچواں صوبہ بنایا جائے۔ اس مطالبے کے پس پردہ بھی مذہبی خواہش غالب ہے۔ مطالبہ کرنے والوں کی اکثریت اہل سنت سے تعلق رکھتی ہے، جن کا یہ خیال ہے کہ گلگت بلتستان اور آزاد کشمیر کو ملایا جائے تو اہل سنت کو واضح برتری حاصل ہو جائے گی، اس لیے خطے پر عددی برتری اہل سنت کو حاصل ہوگی اور خطے میں دیگر مکاتب فکر کے مقابلے میں حکومت کرنا آسان ہوگا۔ مطالبہ کرنے والے اس ضمن میں دلیل دیتے ہیں کہ آزادی کے وقت گلگت بلتستان ریاست جموں وکشمیر کا حصہ تھے اور آزاد کشمیر بھی جموں وکشمیر کا حصہ ہے، اس لیے ریاست جموں وکشمیر کے ان دونوں حصوں کو یکجا کر کے پاکستان کا پانچواں صوبہ بنایا جائے۔ اگر ایسا ممکن نہیں ہے تو پھر گلگت بلتستان کے تاریخی، جغرافیائی، لسانی اور ثقافتی حصے چترال اور کوہستان کو پہلے گلگت بلتستان میں ضم کیا جائے، اس کے بعد خطے کو پانچواں صوبہ بنایا جائے۔ اس مطالبے کے پس پردہ بھی مذہبی برتری حاصل کرنے کا جذبہ اور خواہش کارفرما ہے، البتہ مطالبہ کرنے والوں کی دلیل تاریخی، جغرافیائی اور ثقافتی حوالے سے کافی مضبوط ہے اور خطے میں اہل سنت مجموعی آبادی کا 33 فیصد ہیں اور اہل سنت واحد مکتبہ فکر ہے جو خطے کے تمام 6 اضلاع میں موجود ہیں۔ اس مطالبے کے مخالفین کا دعویٰ ہے کہ مطالبے کو پس پردہ سعودی عرب اور طالبان کی حمایت حاصل ہے۔

(3) خطے کے ایک بڑے طبقے کو اس بات کا خدشہ ہے کہ حکومتوں کے ماضی کے اور حالیہ اقدام گلگت بلتستان کو اسماعیلی ریاست بنانے کی سازش کا حصہ ہیں۔ خدشے کا اظہار کرنے والوں کا کہنا ہے کہ دنیا میں مالی بحران اور عالمی کساد بازاری کے باعث ہونے والے نقصانات کو دیکھتے ہوئے اسماعیلی فرقے کے سربراہ آغا خان نے اب بے تاج بادشاہ بنے رہنے کی بجائے زمین کے کسی ٹکڑے پر اپنی حکومت بنانے کا فیصلہ کر لیا ہے اور اس کے لیے وہ اور ان کی جماعت گزشتہ کئی دہائیوں سے کوشاں ہے۔ اب حکومتی اقدامات نے انہیں مواقع فراہم کیے ہیں۔ دعوے کے مطابق عالمی اور قومی سطح پر کی جانے والی منصوبہ بندی کے مطابق گلگت بلتستان کے علاوہ چترال، افغانستان کے صوبے بدخشاں کی پٹی واخان اور تاجکستان کے بعض علاقوں پر مشتمل ایک اسماعیلی ریاست قائم کی جائے گی۔ ممکن ہے کہ اس خدشے کے پس پردہ اسماعیلی مکتبہ فکر کی جدوجہد شامل ہو مگر بظاہر جماعتی بنیادوں پر اس کا کوئی عملی مظاہرہ یا اعلان نہیں کیا گیا۔ خدشے کا اظہار کرنے والوں کے پاس دلیل کے طور پر عالمی سطح پر آغا خان کا اثر ورسوخ، حکومت چلانے والے افراد اور وسائل کی وافر مقدار میں موجودگی، اسماعیلیوں کا الگ جھنڈا، الگ قومی ترانہ اور الگ جماعتی فورس جیسے عناصر ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اسماعیلی مکتبہ فکر خطے کا واحد مکتب فکر ہے جس کے پاس ریاست چلانے کے تمام لوازمات موجود ہیں

اوراس کے لیے تیاریاں بھی کی گئی ہیں اوران کی طرف سے وقتاً فوقتاً اپنے منصوبے میں پیش قدمی کی جارہی ہے۔گلگت بلتستان کی ظاہری حالت کو دیکھا جائے تو خطے میں آبادی کے حوالے سے اسماعیلی ریاست کا قیام اس لیے ممکن نظر نہیں آتا کہ مذہبی حوالے سے اسماعیلیوں کی آبادی 6 میں سے صرف 2 اضلاع تک محدود ہے، جن میں ضلع غذر میں تقریباً 80 فیصد اور ضلع گلگت میں تقریباً 25 فیصد اسماعیلی مکتبہ فکر کے لوگ ہیں، جو گلگت بلتستان کی کل آبادی کا 19 فیصد بنتا ہے۔باقی چاروں اضلاع میں اسماعیلیوں کی تعداد ایک فیصد بھی نہیں ہے۔عددی اعتبار سے اسماعیلی ریاست کا قیام ممکن نہیں ہے البتہ اگر عالمی قوتیں چاہیں تو ایسا ممکن ہے، کیونکہ ہم جب ماضی میں برصغیر پر انگریزوں کے قبضے اور گلگت بلتستان پر مہاراجہ کے قبضے کو دیکھتے ہیں تو پھر وہاں پر بھی عددی اعتبار سے انگریزوں اور مہاراجوں کی تعداد نہ ہونے کے برابر تھی۔

اسماعیلی برادری کے مختلف رہنما اس خدشے کو بلا جواز اور غلط قرار دیتے ہیں تاہم دیگر مکاتب فکر اس انکار کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں لیکن یہ بات صحیح ہے کہ اگر موجودہ حالات میں اس طرح کی کسی بھی ریاست کا قیام عمل میں آئے تو یہ تعجب خیز نہیں ہوگا، کیونکہ اسماعیلی مکتبہ فکر کے پاس مضبوط اور مربوط تنظیمی نیٹ ورک موجود ہے۔ہم نے اوپر جن تین خدشات امکانات اور خواہشات کا ذکر کیا ہے ان کا براہ راست تعلق مذہبی طبقے سے ہے، ان کے علاوہ کچھ دیگر مطالبات بھی ہیں جن کا ذکر بھی ضروری ہے۔

(جاری ہے)

گلگت بلتستان کی داخلی خودمختاری اور اصل حقائق (41)

عبدالجبار ناصر

ajnasir1@gmail.com

(1) گلگت بلتستان کو ایک آزاد، خودمختار ریاست بنایا جائے، جس کو ایک آزاد ملک کی حیثیت حاصل ہو۔ یہ مطالبہ کرنے والوں میں اکثریت قوم پرستوں کی ہے، جن میں بلاورستان نیشنل فرنٹ کے دونوں گروپ بلتستان اسٹوڈنٹس فیڈریشن، گلگت بلتستان یونائیٹڈ موومنٹ اور قراقرم نیشنل موومنٹ جیسی قوم پرست تنظیمیں شامل ہیں۔ اگرچہ ان تینوں تنظیموں کے منشور اور اغراض ومقاصد میں کافی اختلاف پایا جاتا ہے، تاہم ایک آزاد ریاست کے حوالے سے تینوں کا موقف قدرے مشترک ہے۔ بلاورستان نیشنل فرنٹ کے دونوں گروپوں میں اکثریت اسماعیلی مکتبہ فکر، بلتستان اسٹوڈنٹس فیڈریشن اور گلگت بلتستان یونائیٹڈ موومنٹ میں اکثریت اہل تشیع اور قراقرم نیشنل موومنٹ میں تقریباً تمام مکاتب فکر کے لوگ شامل ہیں، تاہم ان تنظیموں کا اثرورسوخ الگ الگ علاقوں تک محدود ہے۔

آزاد ریاست کا مطالبہ کرنے والوں میں تمام مکاتب فکر کے لوگوں کی موجودگی کے باوجود خطے کے عوام کی اکثریت نے تاحال اس موقف کو کلی طور پر تسلیم نہیں کیا ہے۔ غالباً اس کی وجہ مذہبی اثرورسوخ اور مذہبی مطالبات ہیں۔ ان تنظیموں میں سے بلاورستان نیشنل فرنٹ (ناجی گروپ) کے پاس ایک واضح تحریری ڈرافٹ موجود ہے، جس کے ذریعے وہ آزاد ریاست کا نظام چلانے کا دعویٰ کرتے ہیں، لیکن ان کے لیے سب سے بڑی رکاوٹ قائدین کا اسماعیلی مکتبہ فکر سے ہونا ہے، جس کی وجہ سے بعض افراد ان پر اسماعیلی ریاست (آغاخانی ریاست) کے لئے کام کرنے کا الزام بھی لگاتے ہیں، حالانکہ نواز خان ناجی اور ان کے ساتھیوں کا موقف اسماعیلی جماعت سے بہت مختلف اور خطے کی وحدت کے حوالے سے انتہائی مدلل ہے۔ بلاورستان نیشنل فرنٹ کے دونوں گروپ ایک دوسرے پر بھارت اور پاکستانی خفیہ ایجنسیوں کے ایجنٹ ہونے کا الزام بھی لگاتے ہیں۔

(2) عام طور پر یہ خدشہ بھی پایا جاتا ہے کہ عالمی قوتیں خطے کے معدنی اور قدرتی وسائل پر قبضہ کرنے کے لیے گلگت بلتستان کو سامراجی کالونی بنانے کی کوشش کررہی ہیں، کیونکہ گلگت بلتستان کی دفاعی، تاریخی، جغرافیائی اور قدرتی وسائل کی اہمیت انتہائی اہم ہے۔ کہا جاتا ہے کہ آیندہ جو جنگیں لڑی جائیں گی ان میں سے اکثر کی وجہ پانی بنے گا اور گلگت بلتستان جنوبی ایشیا کا وہ اہم خطہ ہے جہاں پر تازہ پانی حاصل کرنے کے وسیع ذرائع (گلیشئرز) بڑی مقدار میں موجود ہیں۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ امریکا، بھارت، روس، چین اور دیگر عالمی قوتیں خطے پر اپنی نظریں جمائی ہوئی ہیں۔ اس خدشے کا اظہار تمام مکاتب فکر کے لوگ کررہے ہیں اور مقامی سطح پر اس طرح کے کسی منصوبے کو ظاہراً کوئی عوامی

ہمدردی حاصل نہیں ہے، جس کی وجہ سے بظاہر اس منصوبے پر عملدرآمد مشکل نظر آتا ہے، مگر عالمی قوتوں کے لئے طاقت کے ذور پر خطے میں سامراجی کالونی کا قیام عمل میں لانا ناممکن نہیں ہے۔

مندرجہ بالا تمام امکانات، خدشات اور خواہشات دراصل ایک دوسرے پر برتری حاصل کرنے کے جذبے کے تحت پیدا شدہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قومی وحدت اور خطے کی آئینی پوزیشن کے حوالے سے قومی سطح کی سوچ مندرجہ بالا فارمولوں میں کم نظر آتی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ گلگت بلتستان ہر حوالے سے انتہائی حساس خطہ تھا اور ہے، جبکہ ماضی کے تلخ تجربات نے تمام مکاتب فکر کو ایک دوسرے کے بارے میں شدید خدشات سے دوچار کردیا ہے، مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ قومی سوچ اور وحدت کے بغیر خطے کی آئینی اور قانونی پوزیشن کسی صورت واضح نہیں ہوسکتی ہے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ گلگت بلتستان کی مختلف وفاق پرست، قوم پرست اور مذہب پرست تنظیمیں ایک طویل عرصے بعد 2002ء میں اتحاد کرنے پر مجبور ہوئیں۔ ستمبر 2002ء میں 14 تنظیموں نے گلگت بلتستان نیشنل الائنس (GBNA) کے نام سے سب سے بڑا عوامی اتحاد کا قیام عمل میں لایا، جس میں پاکستان پیپلز پارٹی، مسلم لیگ (ق)، پاکستان مسلم لیگ (ن)، جمعیت علماء اسلام (ف)، جماعت اسلامی، جموں وکشمیر لبریشن فرنٹ، پاکستان عوامی تحریک، متحدہ قومی پارٹی، بلاورستان نیشنل فرنٹ (ناجی گروپ)، قراقرم نیشنل موومنٹ، ناردرن ایریاز رائٹس فورم، گلگت بلتستان تھینکرز فورم، غریب قومی موومنٹ اور متحدہ طلبہ محاذ شامل تھے۔ اس اتحاد کا بنیادی مقصد مکاتب فکر کی انفرادی سوچ سے ہٹ کر خطے کی قانونی اور آئینی پوزیشن کے حوالے سے مشترکہ قومی سوچ اور موقف اختیار کرنا ہے۔ الائنس کے پہلے چیئرمین غریب قومی موومنٹ کے عنایت اللہ شمالی، وائس چیئرمین جمعیت علماء اسلام (ف) کے مولانا عطاء اللہ شہاب، جنرل سیکریٹری پیپلز پارٹی کے قربان علی، ڈپٹی جنرل سیکریٹری قراقرم نیشنل موومنٹ کے محمد اقبال ایڈووکیٹ، سیکریٹری مالیات جماعت اسلامی کے مولانا عبدالسمیع اور سیکریٹری اطلاعات عوامی تحریک کے انجینئر محبوب تھے۔ اس کے علاوہ بلاورستان نیشنل فرنٹ (ناجی گروپ) کے سربراہ نواز خان ناجی، متحدہ قومی پارٹی کے میجر (ر) حسین شاہ، جموں وکشمیر لبریشن فرنٹ کے ضیاء الحق، جماعت اسلامی کے مشتاق احمد ایڈووکیٹ، گلگت بلتستان نیشنل فرنٹ کے وجاہت حسن سینٹرل کمیٹی کے بنیادی ارکان تھے۔ بعد ازاں 2009ء تک اس اتحاد میں مختلف تنظیمی تبدیلیاں ہوتی رہیں لیکن آج بھی یہ اتحاد اپنی جگہ موجود ہے، جس کے سربراہ اب بھی عنایت اللہ شمالی ہیں جبکہ جنرل سیکریٹری ڈاکٹر مظفر علی ریلے ہے۔

اس اتحاد کا بنیادی مقصد خطے میں ہر طرح کے تعصبات سے بالاتر ہوکر عوامی مفاد کے ایشوز کو سامنے لانا تھا۔ پہلی مرتبہ خطے کی مختلف جماعتوں پر مشتمل کسی مضبوط اتحاد نے مطالبہ کیا تھا کہ تنازع کشمیر کے حل تک گلگت بلتستان کو آزاد کشمیر طرز کا نظام دیا جائے تاکہ خطے کے عوام کے بنیادی مسائل حل ہوسکیں اور عوام کے احساس محرومی کا خاتمہ کیا جا

سکے۔یہی مطالبہ 2007ء میں قائم ہونے والے قوم پرست اتحاد گلگت بلتستان ڈیموکریٹک الائنس کا بھی ہے، جس میں بلاورستان نیشنل فرنٹ (حمید گروپ)، قراقرم نیشنل موومنٹ، گلگت بلتستان یونائیٹڈ موومنٹ، لیبر پارٹی، بلتستان نیشنل موومنٹ اور دیگر قوم پرست گروپ شامل ہیں۔تاہم حکومت پاکستان کے 2002ء سے 2009ء تک جاری ہونے والے تمام اصلاحاتی پیکجز سے قبل اس مطالبے کو پر زور انداز میں پیش کیا گیا اور گلگت بلتستان قانون ساز اسمبلی نے بھی اس حوالے سے متعدد بار اپنی سفارشات پیش اور قراردادیں منظور کیں مگر کسی بھی حکومت نے ان کے مطالبات اور اس نکتے پر غور کرنے کی بجائے ہر اصلاحاتی پیکیج کو اپنی مرضی کے مطابق یا چند افراد کو خوش کرنے کے لیے جاری کیا۔آزاد کشمیر طرز کا نظام اب ایک قومی مطالبہ بن چکا ہے مگر اس کے باوجود پیپلز پارٹی کی حکومت کی جانب سے جاری کردہ حالیہ پیکیج میں بھی اس مطالبے کو نظر انداز کیا گیا، البتہ یہ اصلاحاتی پیکیج اس حوالے سے تاریخی اہمیت کا حامل ہے کہ اس میں تمام مکاتب فکر کو خوش کرنے کے لیے ایک مبہم پیکیج دیا گیا ہے، جو کہیں پر ایک آزاد ریاست، کہیں پر صوبے، کہیں پر آزاد کشمیر طرز کے نظام اور کہیں پر بلدیاتی نظام کا تصور پیش کرتا ہے، اس لیے ہم نے کوشش کی ہے کہ اس اصلاحاتی پیکیج کے خاص نکات قارئین کے لیے پیش کریں، تاکہ اسے سمجھنے میں آسانی ہو۔

(جاری ہے)

گلگت بلتستان کی داخلی خودمختاری اور اصل حقائق (42)

عبدالجبار ناصر

ajnasir1@gmail.com

حکومت پاکستان کی جانب سے 29 اگست 2009ء کو وفاقی کابینہ میں منظور کردہ اور صدر پاکستان کی جانب سے 7 ستمبر 2009ء کو توسیع کردہ گلگت بلتستان امپاورمنٹ اینڈ سیلف گورننس آرڈر 2009ء کے تحت 9 ستمبر کو جاری کردہ اصلاحاتی پیکیج مجموعی طور پر 15 حصوں، 97 بنیادی آرٹیکل اور 200 سے زائد ذیلی آرٹیکل پر مشتمل ہے۔ جو حکومت پاکستان کی وزارت امور کشمیر و شمالی علاقہ جات (گلگت بلتستان) کی جانب سے تیار کیا گیا ہے۔

دراصل یہ حکومت پاکستان کی جانب سے گلگت بلتستان کے عوام کو ریلیف فراہم کرنے کے لیے ایک انتظامی حکم ہے، جس کو آئینی تحفظ حاصل نہیں ہے، اس لیے اس حکم نامے کے تحت ہونے والی اصلاحات کو آئینی اصلاحات نہیں کہا جاسکتا، بلکہ یہ صرف انتظامی اصلاحات ہیں جن میں ترمیم اور توسیع کے لیے پاکستان کی پارلیمنٹ کی تائید ضروری نہیں ہے اور نہ ہی یہ آرڈیننس ہے کہ ایک مخصوص مدت کے بعد اس کا پارلیمنٹ سے منظور کرانا لازمی ہو۔

خطے میں آج بھی ایسے لوگوں کی کمی نہیں جو اس انتظامی حکم نامے کو آئینی اصلاحات کا نام دیتے ہیں، حالانکہ حکم نامے کے شروع میں ہی واضح کردیا گیا ہے کہ یہ ایک حکم نامہ ہے۔ اس کے باوجود کئی سیاسی اور سماجی شخصیات کی جانب سے ان انتظامی اصلاحات کو سیاسی اصلاحات کا نام دینا ان کی لاعلمی پر دلالت کرتا ہے۔ اصلاحاتی پیکیج کا پہلا حصہ مختلف اصطلاحات کی تعریفات پر مشتمل ہے۔ دوسرا حصہ بنیادی حقوق، تیسرا حصہ گورنر کی تقرری اور اس کے اختیارات، چوتھا حصہ حکومت سازی اور اس کے اختیارات، پانچواں حصہ گلگت بلتستان کونسل (ایوان بالا) کے قیام اور اس کے اختیارات، چھٹا اور ساتواں حصہ مقننہ کے ارکان کی تعداد، ان کے اختیارات اور ان کی تقرری کے متعلق ہے۔ آٹھویں حصے میں اسلامی دفعات کے حوالے سے مختلف آرٹیکلز ہیں، نواں حصہ مالی امور کے متعلق ہے، دسویں حصے میں آرڈیننس کے اجراء کے حوالے سے طریقہ کار وضع کیا گیا ہے، گیارہواں حصہ عدلیہ، بارہواں حصہ سروسز (ملازمتیں، خدمات) تیرہواں حصہ اہم امور، چودھواں حصہ ایمرجنسی یا ہنگامی معاملات کی شقوں اور پندرہواں حصہ شیڈولز پر مشتمل ہے، جس میں گورنر، وزیراعلیٰ، اسپیکر، ڈپٹی اسپیکر، ارکان اسمبلی و کونسل اور وزراء کے حلف درج ہیں۔ اسی شیڈول میں قانون ساز اسمبلی اور گلگت بلتستان کونسل کے اختیارات کی فہرست بھی موجود ہے۔

ہم ان صفحات میں گلگت بلتستان امپاورمنٹ اینڈ سیلف گورننس آرڈر 2009ء کے مخصوص حصوں اور آرٹیکل کو پیش کریں گے تاکہ قارئین کو اصل صورت حال سمجھنے میں آسانی ہو کہ حکومت، سیاست دان، سماجی اور مذہبی قائدین کی

جانب سے جاری کردہ بیانات، دعوے اور ان کے موقف میں اس اصلاحاتی پیکیج کے حوالے سے کتنی حقیقت پائی جاتی ہے۔

اصلاحاتی پیکیج میں یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ اس پیکیج کا بنیادی مقصد عوام کو ریلیف فراہم کرنا اور حق حکومت اور حق خود اختیاری دینا ہے۔ پیکیج کے مسودے کے مطابق ''گلگت بلتستان کے عوام کو زیادہ سیاسی اختیارات اور بہتر حکومت خود اختیاری فراہم کرنے کے لیے ہرگاہ کہ گلگت بلتستان کے عوام کو وہاں سے متعلق امور میں حکومت خود اختیاری کی فراہمی کے لیے ضروری قانونی، انتظامی اور عدالتی اصلاحات کا کام تقاضائے مصلحت ہے، اس لیے اب حکومت پاکستان بمسرت مندرجہ ذیل حکم نامہ جاری کرتی ہے:

1۔ مختصر عنوان، حد اور نفاذ: (1) یہ حکمنامہ گلگت بلتستان (اختیارات اور حکومت خود اختیاری) آرڈر 2009ء کہلائے گا۔

2۔ یہ گلگت بلتستان کے پورے علاقے پر لاگو ہوگا۔

3۔ یہ فوری نافذ العمل ہوگا۔

حصہ اول۔ ابتدائی تعریفات: (1) اس آرڈر میں:

(اے) ''اسمبلی'' سے مراد گلگت بلتستان اسمبلی ہے۔

(بی) ''سٹیزن'' (شہری) سے مراد کوئی بھی ایسا شخص ہے جس کے پاس گلگت بلتستان کا ڈومیسائل ہو تاوقتیکہ اس آرڈر میں اس کا مطلب کچھ اور بیان نہ کیا جائے۔

(سی) ''کونسل'' سے مراد اس آرڈر کے تحت قائم کردہ گلگت بلتستان کونسل ہے۔

(ڈی) ''چیئر مین'' سے مراد کونسل کا چیئرمین ہے، جو وزیر اعظم پاکستان ہوگا۔

(ای) ''مالی سال'' سے مراد جولائی کی پہلی تاریخ سے شروع اور 30 جولائی تک ہے۔

(ایف) ''گلگت بلتستان'' سے مراد استور، دیامر، گنگھچے، غذر، گلگت، ہنزہ، نگر، سکردو کے اضلاع اور ایسے اضلاع جو وقتاً فوقتاً بنائے جائیں، پر مشتمل علاقے ہیں۔

(جی) ''گورنر'' سے مراد گلگت بلتستان کا گورنر اور وہ شخص ہے جو عارضی طور پر اس کا قائم مقام ہو یا گورنر کے فرائض انجام دے رہا ہو۔

(ایچ) ''گورنمنٹ'' (حکومت) سے مراد گلگت بلتستان کی حکومت ہے۔

(آئی) ''جوائنٹ میٹنگ'' (مشترکہ اجلاس) سے مراد اسمبلی، وفاقی وزیر، کونسل سیکریٹریٹ انچارج اور کونسل کے

ارکان کا مشترکہ اجلاس ہے۔

(جے) ''جج'' گلگت بلتستان سپریم اپیلٹ کورٹ یا گلگت بلتستان چیف کورٹ کی مناسبت سے گلگت بلتستان اپیلٹ کورٹ اور چیف کورٹ کے جج پر مشتمل ہے۔

(کے) ''پرسن'' (شخص) یہ فرد یا ادارے پر مشتمل ہے۔

(ایل) پریسکرائیڈ (ہدایت کردہ) سے مراد قانون یا مندرجہ ذیل تیار کردہ ضوابط رولز کی جانب سے ہدایت کردہ ہے۔

(ایم) ''پراپرٹی'' (ملکیت) میں منقولہ یا غیر منقولہ ملکیت میں کوئی حق، استحقاق یا کوئی ذریعہ یا آلاتِ پیداوار شامل ہیں۔

(این) (معاوضہ) میں تنخواہ اور پنشن شامل ہیں۔

(او) ''گلگت بلتستان کی سروس'' سے مراد گلگت بلتستان کے امور کے سلسلے میں کوئی سروس (ملازمت) عہدہ یا منصب بشمول کونسل شامل ہے لیکن اس میں چیئرمین کونسل، گورنر، اسپیکر، ڈپٹی اسپیکر، وزیر اعلیٰ، وفاقی وزیر، انچارج کونسل سیکریٹریٹ یا مشیر، پارلیمانی سیکریٹری، وفاقی وزیر کے مشیر، یا اسمبلی کا رکن یا کونسل کا رکن شامل نہیں ہیں (دوسرا حصہ بنیادی حقوق کے حوالے سے ہے، اس میں تقریباً وہی شقیں اور آرٹیکل شامل کیے گئے ہیں جو پاکستان کے آئین میں موجود ہیں اس لیے مضمون میں طوالت سے بچنے کے لیے اس حصے کو شامل نہیں کیا جا رہا)

(جاری ہے)

اقوال زریں

- اپنی غلطیوں کا احساس ہی کامیابی کی کنجی ہے۔
- اپنے آپ کو بہتر سمجھ لینا جہالت ہے۔
- موتی کیچڑ میں گر جائے تب بھی موتی ہے، گرد آسمان پر بھی چڑھ جائے، بے قیمت ہے۔
- دوسروں کی خوبیوں کی تعریف سے زیادہ ان کی خوبیوں کو اپنانے پر توجہ دو۔
- اپنی ضرورتوں کو محدود کر دینا ہی دولت مندی ہے۔
- بہترین یادداشت یہ ہے کہ انسان اپنی نیکی اور دوسروں کی کوتاہی بھول جائے۔
- اپنے ہنر کے ذریعے سے کما، دین کے ذریعے سے نہ کما۔
- جو حافظ قرآن بنتا ہے اسے اس پر عمل کرنے کی بھی فکر کرنی چاہیے۔
- اصل کمال علم اور عمل دونوں کو جمع کرنا ہے۔

گلگت بلتستان کی داخلی خودمختاری اور اصل حقائق (43)

عبدالجبار ناصر

ajnasir1@gmail.com

20۔ گورنر

1۔ گلگت بلتستان کا ایک گورنر ہوگا جسے صدر پاکستان، وزیر اعظم پاکستان کے مشورے سے مقرر کرے گا۔

(1) پہلے گورنر کی تعیناتی تک وفاقی وزیر امور کشمیر و گلگت بلتستان، گورنر کی حیثیت سے فرائض انجام دے گا۔

(2) اس آرڈر کے تحت پہلے انتخابات کے بعد مقننہ کا اسپیکر بحیثیت گورنر کام آئے گا۔ (جاری کردہ اصلاحاتی پیکیج کے ڈرافٹ میں آرٹیکل 20 کا ذیلی آرٹیکل 2 موجود نہیں ہے)

(3) کسی شخص کو اس وقت تک گورنر مقرر نہیں کیا جائے گا جب تک وہ اسمبلی یا قومی اسمبلی کا رکن منتخب ہونے کا اہل نہ ہو اور 35 سال سے کم عمر ہو۔

(4) گورنر صدر کی مرضی تک اپنے منصب پر فائز رہے گا اور اس تنخواہ اور الاؤنسز اور استحقاق کا اہل ہوگا جس کا صدر تعین کرے گا۔

(5) گورنر اپنا استعفا اپنے ہاتھ کی تحریر میں صدر کو بھیج سکتا ہے۔

(6) کسی ہنگامی صورت حال میں صدر ایسی شرط عائد کر سکتا ہے جو اس کے خیال میں گورنر کے لیے اس کے فرائض کی انجام دہی کے لیے موزوں ہو، اگرچہ وہ اس آرڈر میں موجود نہ ہو۔

(7) اپنا عہدہ سنبھالنے سے قبل گورنر کو گلگت بلتستان سپریم اپیلٹ کورٹ کے چیف جج کے روبرو پہلے شیڈول میں درج فارم کے مطابق ایک حلف اٹھانا ہوگا۔

(8) گورنر، گلگت بلتستان یا پاکستان میں اپنے پاس کوئی منفعت بخش عہدہ نہیں رکھے گا یا کوئی دوسری ایسی پوزیشن پر فائز نہیں ہوگا جو اسے خدمات کی انجام دہی کے لیے معاوضے کا حق عطا کرے۔

(9) گورنر اسمبلی کی رکنیت کے لیے انتخابی امیدوار نہیں ہوگا۔ اگر کسی رکن اسمبلی کو گورنر مقرر کیا جائے گا تو اس کے عہدے پر فائز ہونے سے قبل اسمبلی میں اس کی نشست خالی ہو جائے گی۔

21۔ گورنر کا مشورے وغیرہ پر عمل: (1) اس آرڈر کی رو سے گورنر اپنے فرائض کی انجام دہی میں کابینہ یا وزیر اعلیٰ کے مشورے کی مطابقت میں عمل کرے گا۔ بشرطیکہ گورنر، کابینہ یا وزیر اعلیٰ سے ایسے مشورے پر دوبارہ غور کا تقاضا کرے۔ اس قسم کے دوبارہ غور کے بعد گورنر مشورے کے مطابق عمل کرے گا۔

(2) اس سوال کو کہ وزیراعلیٰ کی یا کابینہ کی جانب سے آیا کوئی، یا کیا مشورہ، گورنر کو پیش کیا گیا، کسی عدالت ٹریبونل یا دیگر اتھارٹی میں یا اس کے ذریعے دریافت نہیں کیا جائے گا۔

حصہ چہارم۔حکومت

22۔حکومت:

(1) اس آرڈر کی رو سے گلگت بلتستان کا انتظامی اختیار حکومت کی جانب سے بتوسط وزیراعلیٰ و وزارتی کابینہ، گورنر کے نام پر استعمال ہوگا۔ کابینہ وزیراعلیٰ اور وزراء پر مشتمل ہوگی جو وزیراعلیٰ کے ذریعے اپنا کام کرے گی، جو منتظم اعلیٰ ہوگا۔

(2) اس آرڈر کے تحت وزیراعلیٰ اپنے فرائض براہ راست یا وزراء کے توسط سے انجام دے سکتا ہے۔

(3) وزیراعلیٰ اور وزراء اجتماعی طور پر اسمبلی کو جوابدہ ہوں گے۔

(4) گورنر کے نام پر جاری کردہ اور زیرتعمیل احکام وہدایات کی حکومت کی جانب سے وضع کردہ رولز میں صراحت کردہ طریقے پر توثیق کی جائے گی اور کسی حکم یا ہدایت پر جو توثیق شدہ ہو کسی عدالت میں اس بنیاد پر سوال نہیں اٹھایا جاسکے گا کہ یہ گورنر کی جانب سے جاری کردہ یا تعمیل شدہ نہیں ہے۔

(5) گورنر، چیئرمین کونسل کے مشورے سے اپنے معاملات کی کارروائی اور انجام دہی کو باقاعدہ بنا سکتا ہے اور کارروائی میں سہولت کے لیے اپنا کوئی بھی فریضہ ماتحت افسران یا حکام کو تفویض کرسکتا ہے۔

23۔وزیراعلیٰ: (1) اسمبلی کا اجلاس، اسمبلی کے انتخابات کے انعقاد کے بعد تیسویں دن ہوگا، بشرطیکہ گورنر کی جانب سے جلد تر نہ طلب کیا جائے۔

(2) اسپیکر اور ڈپٹی اسپیکر کے انتخابات کے بعد کسی بھی معاملے پر بحث ومباحثہ کے بغیر اسمبلی اپنے ارکان میں سے ایک کو وزیراعلیٰ منتخب کرنے کی کارروائی کرے گی۔

(3) وزیراعلیٰ اسمبلی کے مجموعی ارکان کی اکثریت کے ووٹوں سے منتخب کیا جائے گا، بالفرض اگر کوئی رکن پہلی پولنگ میں اکثریت حاصل نہیں کرسکا تو ان دو ارکان کے درمیان جنہوں نے سب سے زیادہ ووٹ حاصل کیے ہوں گے، دوسری پولنگ منعقد کرائی جائے گی۔

بالفرض مزید اگر سب سے زیادہ تعداد میں ووٹ حاصل کرنے والے ارکان کے ووٹوں کی تعداد برابر رہتی ہے تو ان کے درمیان اس وقت تک مزید پولنگ منعقد ہوگی جب تک ان میں سے ایک حاضر اور ووٹ دینے والے ارکان کے ووٹوں کی اکثریت حاصل نہیں کرلیتا۔

(4) کلاز 3 کے تحت منتخب رکن کو گورنر کی جانب سے وزیر اعلیٰ کا منصب سنبھالنے کی دعوت دی جائے گی اور وہ عہدہ سنبھالنے سے قبل گورنر کے روبرو پہلے شیڈول میں درج فارم پر حلف اٹھائے گا۔

(جاری ہے)

گلگت بلتستان کی داخلی خودمختاری اور اصل حقائق (44)

عبدالجبار ناصر

24۔وزراء:(1) گورنروزیراعلیٰ کے مشورے سے اسمبلی کے ارکان میں سے وزراء کا تقرر کرے گا۔

(2) اپنا عہدہ سنبھالنے سے قبل وزیر کو گورنر کے روبرو پہلے شیڈول میں درج فارم پر حلف اٹھانا ہوگا۔

(3) وزیر اپنے ہاتھ سے تحریر شدہ استعفاء وزیراعلیٰ کے نام بھیج سکتا ہے یا وزیراعلیٰ کی جانب سے اسے برطرف کیا جاسکتا ہے۔

25۔وزیراعلیٰ کے مشیران: گورنروزیراعلیٰ کے مشورے سے اس مدت اور شرائط پر جن کا وہ تعین کرے، مشیروں کا تقرر کرسکتا ہے جن کی تعداد دو سے زیادہ نہیں ہوگی۔

26۔پارلیمانی سیکریٹریز:(1) وزیراعلیٰ ایسے فرائض کی ادائیگی کے لیے جو مقرر کیے گئے ہوں، اسمبلی کے ارکان میں سے پارلیمانی سیکریٹریز کا تقرر کرسکتا ہے۔

(2) کوئی بھی پارلیمانی سیکریٹری اپنی دستی تحریر میں وزیراعلیٰ کے نام اپنے عہدے سے استعفاء بھیج سکتا ہے یا وزیراعلیٰ اسے برطرف کرسکتا ہے۔

27۔وزیراعلیٰ کا استعفاء:(1) کلاز 2 کی رو سے وزیراعلیٰ اپنی دستی تحریر میں گورنر کے نام اپنے عہدے سے استعفاء پیش کرسکتا ہے، جب وزیراعلیٰ مستعفی ہوجائے تو وزراء بھی اپنے عہدے چھوڑدیں گے۔

(2) اگر وزیراعلیٰ کے استعفاء دینے کے وقت اسمبلی کا اجلاس جاری ہو تو اسمبلی فی الفور وزیراعلیٰ منتخب کرنے کی کارروائی شروع کردے گی۔ اگر اسمبلی کا اجلاس نہ ہورہا ہو تو گورنر استعفاء دیے جانے کے 14 دن کے اندر اس مقصد کے لیے اجلاس طلب کرے گا۔

28۔وزیراعلیٰ کے خلاف عدم اعتماد کا ووٹ:(1) وزیراعلیٰ کے خلاف کل ارکان اسمبلی کی 20 فیصد تعداد کی جانب سے پیش کی گئی عدم اعتماد کے ووٹ کی قرارداد اسمبلی کی جانب سے منظور کی جاسکتی ہے۔

(2) کوئی قرارداد اسمبلی میں پیش نہیں کی جائے گی، الاّ یہ کہ ایسی ہی قرارداد کے ذریعے کسی دوسرے رکن اسمبلی کا نام جانشین کی حیثیت سے پیش کیا جائے۔

(3) جب اسمبلی سالانہ بجٹ پیش کرنے کے مطالبات پر غور کررہی ہو تو اس میں قرارداد پیش نہیں کی جائے گی۔

(4) اسمبلی میں پیش کیے جانے کی تاریخ کے 3 دن گزرنے سے قبل اور 7 دن بعد کسی قرارداد پر ووٹنگ نہیں ہوگی۔

(5) اگر اسمبلی کی مجموعی رکنیت کی اکثریت قرارداد منظور کرلیتی ہے تو وزیراعلیٰ اور اس کے مقرر کردہ وزراء اپنے منصوبے سے سبکدوش ہوجائیں گے۔

29۔ وزیر اعلیٰ کا اپنے عہدے پر کام جاری رکھنا: گورنر وزیر اعلیٰ سے اس کے جانشین کے عہدے سنبھالنے تک اپنے عہدے پر فائز رہنے کے لیے کہہ سکتا ہے۔

30۔ وزیر اعلیٰ کے فرائض انجام دینے والا وزیر: (1) وزیر اعلیٰ کی موت یا اس کے اسمبلی کی رکنیت ختم ہونے یا استعفے کے نتیجے میں کام چھوڑ دینے کے باعث وزیر اعلیٰ کا عہدہ خالی ہونے کی صورت میں گورنر سینئر ترین وزیر سے اس منصب کے فرائض ادا کرنے کے لیے کہے گا، وزیر نئے وزیر اعلیٰ کے منتخب ہونے اور اپنا منصب سنبھالنے تک اس عہدے پر کام کرتا رہے گا۔

(2) اگر وزیر اعلیٰ کی موت یا اس کا عہدہ خالی ہونے کے وقت اسمبلی کا اجلاس جاری ہو تو اسمبلی فی الفور وزیر اعلیٰ کے انتخاب کی کارروائی شروع کردے گی اور اگر اسمبلی کا اجلاس نہ ہو رہا ہو تو گورنر اس مقصد کے لیے وزیر اعلیٰ کی موت یا عہدہ خالی ہونے کے 14 دن کے اندر اندر اجلاس طلب کرے گا۔

(3) جب کسی بھی سبب سے وزیر اعلیٰ اپنے فرائض انجام دینے کے قابل نہ ہو تو سینئر ترین وزیر، وزیر اعلیٰ کے فرائض کی ادائیگی کے قابل ہونے تک عارضی طور پر اس کے فرائض انجام دے گا۔

(4) اس آرٹیکل میں ''سینئر ترین وزیر'' سے مراد وزیر اعلیٰ کی جانب سے آفیشل گزٹ میں نوٹیفکیشن کے ذریعے عارضی طور پر مقرر کیا جانے والا وزیر ہے۔

31۔ حکومت کے انتظامی اختیار کی حد:

(1) اس آرڈر کی رو سے حکومت کا انتظامی اختیار ان معاملات تک وسیع ہوگا جن کے متعلق اسمبلی قانون بنانے کا اختیار رکھتی ہے۔

(2) اس آرڈر کی رو سے حکومت کا اختیار، کونسل کی جانب سے بنائے گئے قوانین اور پاکستانی قوانین کی تعمیل میں استعمال ہوگا۔

(3) حکومت کونسل کی رضامندی سے، مشروط یا غیر مشروط طور پر کونسل یا اس کے افسران کو حکومت کے انتظامی اختیار کے کسی اضافی معاملے کے سلسلے میں فرائض تفویض کر سکتی ہے۔

32۔ ایڈووکیٹ جنرل:

(1) گورنر ایک ایسے شہری کا جو گلگت بلتستان چیف کورٹ کے جج کی حیثیت سے تقرری کا اہل ہو، ایڈووکیٹ جنرل برائے گلگت بلتستان کی حیثیت سے تقرر کرے گا۔

(2) ایڈووکیٹ جنرل کا فریضہ حکومت کو قانونی معاملات کے بارے میں مشورہ دینا اور قانونی خصوصیت کے حامل ایسے فرائض ادا کرنا ہوگا جو اسے حکومت تفویض کرے گی۔

(3) ایڈووکیٹ جنرل گورنر کی مرضی تک اپنے منصب پر فائز رہے گا۔

(4) ایڈووکیٹ جنرل اپنا استعفاء اپنے ہاتھ کی تحریر سے گورنر کو پیش کر سکتا ہے۔

(5) اس آرڈر کے آغاز سے پہلے ایڈووکیٹ جنرل کے عہدے پر فائز شخص فوری طور پر اس آرڈر کے تحت مقرر کردہ ایڈووکیٹ جنرل تصور ہو گا۔

(جاری ہے)

گلگت بلتستان کی داخلی خودمختاری اور اصل حقائق (46)

عبدالجبار ناصر

حصہ ششم۔ مقننہ

35۔ قانون ساز اسمبلی:

(1) قانون ساز اسمبلی 33 ارکان پر مشتمل ہوگی، جن میں سے:

(اے) 24 ارکان اسمبلی بالغ رائے دہی کی بنیاد پر براہ راست منتخب کیے جائیں گے۔

(بی) 6 خاتون ارکان پاکستان میں مخصوص نشستوں کی طرز پر منتخب ہوں گی۔

(سی) 3 ٹیکنوکریٹ اور دیگر ماہر ارکان پاکستان میں مخصوص نشستوں کی طرز پر منتخب ہوں گے۔

وضاحت: ذیلی کلاز (سی) میں ''ٹیکنوکریٹ یا دیگر ماہر'' سے مراد ایک ایسا شخص ہے جو مقررہ تجربے اور اہلیت کا حامل ہو۔

(2) اسمبلی کے ارکان کے انتخاب اور اتفاقی طور پر خالی ہونے والی نشستیں پر کرنے کا طریقہ وہی ہوگا جو مقرر کیا جائے گا۔

(3) اسمبلی تاوقتیکہ قبل از میعاد نہ توڑی جائے، اپنے پہلے اجلاس کے لیے مقرر کردہ تاریخ سے لے کر 5 سال تک کے لیے کام کرتی رہے گی۔

(4) قانون ساز اسمبلی کی میعاد ختم ہونے کے دن سے قبل 60 دنوں کے اندر اندر فوری کارروائی کے ذریعے عام انتخابات کا انعقاد عمل میں آئے گا، الا یہ کہ اسمبلی قبل از وقت توڑ دی جائے۔ انتخابات کے نتیجے کا 14 دن کے اندر اعلان کر دیا جائے گا۔

36۔ ارکان اسمبلی کا حلف:

(1) اسمبلی کا رکن منتخب ہونے والا شخص اسمبلی میں اس وقت تک اپنی نشست نہیں سنبھال سکتا جب تک کہ وہ جیسا کہ رولز میں کہا گیا ہے، پہلے شیڈول میں مقرر کردہ فارم پر اپنا حلف نہ اٹھا لے۔

(2) حلف اس وقت لیا جائے گا جب اسمبلی کا اجلاس منعقد ہوگا۔

(3) اگر کوئی ایسا شخص یہ جانتے ہوئے کہ وہ اسمبلی کا رکن ہونے کا اہل نہیں ہے اسمبلی میں بیٹھتا ہے، یا ووٹ دیتا ہے تو وہ ہر اس دن کے لیے جب وہ اسمبلی میں بیٹھتا یا ووٹ دیتا رہا ہے قابل تعزیر جرم کا مرتکب اور ایک ایسی مدت کے لیے جو 7 سال سے کم نہ ہو، قید اور ایسے جرمانے کا جو 2 لاکھ روپے سے کم نہ ہو، سزاوار ہوگا۔

37۔ ارکان اسمبلی کی اہلیت:

(1) کوئی بھی شخص اسمبلی کا رکن ہونے کا اہل ہوگا، اگر وہ:

(اے) شہری ہو۔

(بی) 25 سال سے کم عمر نہ ہو۔

(سی) اس کا نام گلگت بلتستان کے کسی بھی حلقے کی انتخابی فہرست میں درج ہو۔

(2) کوئی بھی شخص رکن اسمبلی منتخب ہونے کے لیے نا اہل ہوگا، اگر وہ:

(اے) خللِ دماغ میں مبتلا ہو اور اس کا اعلان کسی مجاز عدالت کی جانب سے کیا گیا ہو یا

(بی) نادہندہ دیوالیہ ہو اور عدالتی حکم کو 10 سال کا عرصہ نہ گزرا ہو یا

(سی) اسے کسی جرم کا مجرم قرار دیا گیا ہو اور کسی مدت کی سزا سنائی گئی ہو یا دو سال سے زیادہ مدت تک قید رہا ہو اور اس کی رہائی کو 5 سال سے کم عرصہ نہ گزرا ہو یا

(ڈی) گلگت بلتستان میں کسی منفعت بخش عہدے پر تعینات ہو، سوائے اس عہدے کے جو کل وقتی نہ ہو اور اسے معاوضے کی ادائیگی تنخواہ یا فیس کی صورت میں کی جاتی ہو، ماسوائے اس کے جس کی صراحت دوسرے شیڈول میں کی گئی ہے۔

(ای) وہ گلگت بلتستان، پاکستان اور آزاد جموں وکشمیر کی ملازمت میں یا کسی قانونی ادارے یا کسی ایسے ادارے جسے پاکستان، آزاد جموں وکشمیر یا گلگت بلتستان کی حکومت کنٹرول کرتی ہے، یا جس میں حکومت کوئی کنٹرولنگ شیئر یا مفاد رکھتی ہو، الا یہ کہ اسے ایسی ملازمت سے سبکدوش ہوئے دو سال کا عرصہ گزر چکا ہو یا

(ایف) اسے گلگت بلتستان یا حکومت پاکستان کی ملازمت سے برطرف کیا گیا ہو یا بد انتظامی کا مرتکب قرار دیا گیا ہو، الا یہ کہ اس کی برطرفی کو پانچ سال کا عرصہ گزر چکا ہو یا

(جی) اسے اس آرڈر یا دوسرے قانون کے تحت اسمبلی کا رکن بننے کے لیے نا اہل قرار دیا گیا ہو۔

38۔ اسمبلی میں نشست مخصوص حالات کے تحت خالی ہوتی ہے:

(1) اسمبلی کے رکن کی نشست خالی ہو جائے گی، اگر:

(اے) وہ اپنے ہاتھ سے لکھا گیا استعفاء اسپیکر کے نام، اس کی غیر موجودگی میں اسمبلی کے سیکریٹری کو بھیجتا ہے یا

(بی) وہ اسمبلی سے اسمبلی کے 30 مسلسل اجلاسوں سے بلا رخصت غیر حاضر رہے یا

(سی) وہ آرٹیکل 36 میں مذکور حلف کو اپنے انتخاب کی تاریخ سے 90 دن کے عرصے تک نہ اٹھائے، الا یہ کہ اسپیکر

کسی معقول سبب سے اس عرصے کی توسیع ظاہر کرے یا

(ڈی) وہ کونسل کا رکن منتخب ہو۔

(ای) اس آرڈر کی کسی شق یا کسی دیگر قانون کے تحت رکن ہونے کا اہل نہ رہے۔

(2) اگر رکن اسمبلی ایک سے زائد نشستوں پر منتخب ہوتا ہے تو اسے آخری نشست کے نتیجے کے اعلان سے 30 دن کے بعد ایک نشست کے سوا باقی تمام نشستوں سے استعفاء دینا ہوگا اور اگر اس نے استعفاء نہ دیا تو وہ تمام نشستیں جن پر وہ منتخب ہوا ہے، ماسوائے اس نشست کے جس پر وہ آخری بار منتخب ہوا ہے، 30 دن کی مدت ختم ہونے پر خالی ہو جائیں گی یا اگر وہ اسی دن ایک سے زائد نشستوں پر منتخب ہوا ہے تو اس نشست کے ماسوا جس پر اس نے سب سے آخر میں کاغذات نامزدگی جمع کرائے تھے، دیگر تمام نشستیں خالی ہو جائیں گی۔

(3) اگر یہ سوال اٹھایا گیا کہ ایک رکن اسمبلی اپنے انتخابات کے بعد نااہل ہوا ہے تو اسپیکر اس سوال کو چیف الیکشن کمشنر کو ریفر کردے گا اور اگر چیف الیکشن کمشنر کی رائے میں رکن نااہل ہو گیا ہے تو اس کی رکنیت ختم اور نشست خالی ہو جائے گی۔

(4) ماسوائے اسمبلی کی تحلیل کے، اسمبلی کی کوئی نشست خالی ہوئی ہو اور اس وقت اسمبلی کی مدت ختم ہونے میں 120 دن سے کم مدت باقی نہ ہو تو اس نشست کو پر کرنے کے لیے انتخاب کرایا جائے گا۔

(جاری ہے)

گلگت بلتستان کی داخلی خودمختاری اور اصل حقائق (46)

عبدالجبار ناصر

39۔ گورنر کا اسمبلی سے خطاب کا حق:

(1) گورنر اسمبلی سے خطاب کر سکتا ہے اور اس مقصد کے لیے ارکان کی حاضری کا تقاضا کر سکتا ہے۔

(2) ایڈووکیٹ جنرل کو تقریر کا حق حاصل ہوگا اور وہ اسمبلی یا اس کی کسی کمیٹی کی، جس کے لیے وہ نامزد ہو، کارروائی میں حصہ لے سکتا ہے لیکن اس آرٹیکل کی رو سے وہ ووٹ دینے کا اہل نہیں ہوگا۔

40۔ اسمبلی کے اجلاس:

(1) اسمبلی ان اوقات میں اور ان مقامات پر جن کا گورنر تعین کرے، جمع ہوگی اور گورنر اسمبلی کے کسی بھی اجلاس کو ماسوائے اس کے کہ وہ اسپیکر کی جانب سے طلب کیا گیا ہو، ملتوی کر سکتا ہے۔

(2) اسمبلی کے کسی بھی اجلاس کو اسپیکر یا اس کی صدارت کرنے والا کوئی بھی شخص ملتوی کر سکتا ہے۔

(3) اسمبلی کے ہر سال کم از کم 3 اجلاس ہوں گے اور اس کے اجلاسوں کی درمیانی مدت 120 دن سے زیادہ نہیں ہوگی۔

بشرطیکہ اسمبلی کے اجلاس ہر پارلیمانی سال میں 130 ایام کار سے کم مدت میں نہ ہوئے ہوں۔

(4) اسپیکر کم از کم ایک تہائی ارکان کی جانب سے ریکوزیشن پر دستخطوں کی صورت میں ہی اسمبلی کا اجلاس ایک ایسے وقت اور مقام پر جسے وہ موزوں سمجھتا ہو، ریکوزیشن کی وصولی کے 14 دن کے اندر طلب کر سکتا ہے اور وہی اسے ملتوی کر سکتا ہے۔

41۔ اسمبلی کی تحلیل:

(1) اگر وزیر اعلیٰ کی جانب سے مشورہ دیا گیا تو گورنر اسمبلی تحلیل کر سکتا ہے اور اگر وزیر اعلیٰ ایسا مشورہ دیتا ہے تو اسمبلی ایسے مشورے کے 48 گھنٹے بعد تحلیل ہو جائے گی، الا یہ کہ اس سے پہلے ہی تحلیل نہ کر دی جائے۔

وضاحت: اس آرٹیکل کے تحت وزیر اعلیٰ کو بھیجے جانے والے ریفرنس میں وہ ریفرنس شامل نہیں ہوگا، جو کسی ایسے وزیر اعلیٰ کے خلاف بھیجا جائے جس کے خلاف اسمبلی میں تحریک عدم اعتماد پیش کی گئی ہو لیکن اس پر ووٹنگ نہیں ہوئی ہو یا جس کے خلاف قرارداد منظور کی گئی ہو یا جو اپنے استعفےٰ کے بعد اپنے عہدے پر کام کر رہا ہو یا اسمبلی تحلیل ہو چکی ہو یا وہ ایک ایسا وزیر ہو جو آرٹیکل 30 کے کلاز (1) یا کلاز (2) کے تحت وزیر اعلیٰ کے فرائض انجام دے رہا ہو۔

(2) جب اسمبلی تحلیل ہو جائے تو تحلیل ہونے کے بعد 90 دن کی مدت میں انتخاب منعقد ہوں گے اور انتخابات

کے نتائج کا اعلان زیادہ سے زیادہ 14 دن کے اندر کر دیا جائے گا۔

42۔ اسپیکر اسمبلی:

(1) عام انتخابات کے بعد اسمبلی کا پہلا اجلاس ہوگا جس میں اسمبلی کے اسپیکر اور ڈپٹی اسپیکر کے انتخاب کے علاوہ کوئی دوسری کارروائی نہیں ہوگی۔ بشرطیکہ یہ مدت انتخابات کے سرکاری اعلان اور ارکان کے اپنی نشستیں سنبھالنے کی تاریخ کے درمیان 30 دن سے متجاوز نہ ہو۔

(2) اپنا عہدہ سنبھالنے سے قبل وہ رکن اسمبلی جو بحیثیت اسپیکر یا ڈپٹی اسپیکر منتخب ہو، اسمبلی کے سامنے وہ حلف اٹھائے گا جو پہلے شیڈول میں مقررہ کردہ فارم میں درج ہے۔

(3) اسمبلی کی تمام کارروائی اسمبلی کی جانب سے وضع کردہ اور گورنر کے منظور کردہ طریقہ کار کے مطابق ہوگی۔

(4) اسپیکر اسمبلی کے اجلاس کی صدارت کرے گا، سوائے اس وقت کے جب اس کی اس عہدے سے برطرفی پر غور کیا جارہا ہو اور جب اسپیکر کا عہدہ خالی ہو یا وہ کسی وجہ سے اپنے فرائض منصبی ادا کرنے کے قابل نہ ہو۔ ڈپٹی اسپیکر بحیثیت اسپیکر کام کرے گا اور اگر اس وقت ڈپٹی اسپیکر بھی غیر حاضر ہو یا کسی سبب سے اسپیکر کی حیثیت سے کام کرنے کے قابل نہ ہو تو کوئی ایسا رکن اسمبلی جس کا تعین اسمبلی کے طریقہ کار کے قوانین کے ذریعے سے کیا گیا ہو، اسمبلی کی صدارت کرے گا۔

(5) جیسے ہی اسپیکر اور ڈپٹی اسپیکر کا عہدہ خالی ہو اسمبلی اسے فوری طور پر پر کرنے کے لیے اپنے ایک رکن کو منتخب کرے گی۔

(6) اسپیکر اپنے ہاتھ کی تحریر میں اپنا استعفاء گورنر کو بھیج کر مستعفی ہوسکتا ہے۔

(7) ڈپٹی اسپیکر اپنے ہاتھ کی تحریر میں اپنا استعفاء گورنر کو بھیج کر مستعفی ہوسکتا ہے۔

(8) اسپیکر اور ڈپٹی اسپیکر کے عہدے خالی ہو جائیں گے اگر

(اے) وہ اسمبلی کا رکن نہیں رہے۔ سوائے اس کے جو کلاز (9) میں مشروط ہے۔

(بی) اسے اسمبلی کی ایک قرارداد کے ذریعے اس کے عہدے سے ہٹایا جاسکتا ہے، جس کے لیے 7 دن سے کم مدت کا نوٹس، جو کل ارکان اسمبلی کی کم از کم ایک چوتھائی تعداد کی جانب سے دیا گیا ہو۔ قرارداد کا ارکان کی مجموعی تعداد کی اکثریت سے منظور کیا جانا ضروری ہے۔

(9) اسمبلی تحلیل ہو جانے کے باوجود اسپیکر بدستور اپنے عہدے پر فائز رہے گا، تاوقتیکہ اگلی اسمبلی کے ذریعے منتخب کردہ شخص اس عہدے کو پر نہ کر دے۔

43۔ اسمبلی میں ووٹنگ اور کورم:

(1) اس آرڈر کی رو سے

(اے) قانون ساز اسمبلی میں کوئی بھی فیصلہ حاضر اور ووٹ دینے والے ارکان اسمبلی کے ووٹوں کی اکثریت سے کیا جائے گا لیکن اسپیکر اور اس کی غیر موجودگی میں اجلاس کی صدارت کرنے والا شخص ووٹنگ میں حصہ نہیں لے گا، ماسوائے اس کے ووٹ مساوی رہیں اور ایسی صورت میں وہ اپنا کاسٹنگ ووٹ استعمال کرے گا۔

(بی) اسمبلی، اپنی رکنیت میں کوئی نشست خالی ہونے کے باوجود کام کر سکے گی اور

(سی) اسمبلی میں کوئی بھی کارروائی اس بنیاد پر غیر موثر نہیں ہوگی کہ کوئی شخص جو ایسا کرنے کا اہل نہیں تھا، اجلاس میں بیٹھا اور ووٹ دیا یا کارروائی میں حصہ لیا۔

(جاری ہے)

گلگت بلتستان کی داخلی خودمختاری اور اصل حقائق (48)

عبدالجبار ناصر

44۔ اسمبلی میں تبادلۂ خیال پر پابندی وغیرہ

اسمبلی یا کونسل میں مشترکہ اجلاس میں امور خارجہ، دفاع، انٹرنل سیکورٹی اور حکومت پاکستان کے مالی منصوبوں اور گلگت بلتستان سپریم اپیلٹ کورٹ یا گلگت بلتستان چیف کورٹ کے کسی جج کی جانب سے اپنے فرائض کی بجا آوری کے سلسلے میں کی گئی کارروائی پر کوئی تبادلۂ خیال نہیں کیا جاسکے گا۔

45۔ مالیاتی کمیٹی:

(1) اسمبلی کی قانونی حدود میں اخراجات، مالیاتی کمیٹی کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے اسمبلی کی جانب سے کنٹرول کیے جائیں گے۔

(2) مالیاتی کمیٹی، اسپیکر، وزیر خزانہ اور ایسے دیگر ارکان پر مشتمل ہوگی جنہیں اسمبلی نے منتخب کیا ہو۔

46۔ اسمبلی سیکریٹریٹ:

(1) اسمبلی کا ایک علیحدہ سیکریٹریٹ ہوگا۔

(2) اسمبلی بذریعہ قانون اپنے سیکریٹریٹ میں مقرر کردہ افراد کی بھرتی اور شرائط ملازمت کو باقاعدہ بنا سکتی ہے۔

(3) جب تک اسمبلی کے ذریعے کلاز (2) کے تحت شق نہ بنائی جائے، اسمبلی سیکریٹریٹ کے عملے میں تقرر کردہ افراد پر وہ شرائطِ ملازمت عاید رہیں گی، جو فی الوقت ہیں۔

حصہ ہفتم۔ تقسیمِ اختیاراتِ قانون سازی

47۔ اختیارات قانون سازی:

(1) اس آرٹیکل کے آگے بیان کردہ شقوں میں کونسل اور اسمبلی دونوں کو یہ قانون بنانے کے اختیارات حاصل ہوں گے:

(اے) گلگت بلتستان کے علاقوں کے لیے۔

(بی) گلگت بلتستان کے تمام شہریوں کے لیے۔

(سی) کونسل یا حکومت کے ملازمین کے لیے، جو بھی صورت ہو اور جہاں بھی وہ ہوں۔

(2) کلاز (3) کی رو سے:

(اے) کونسل کے تیسرے شیڈول میں دی گئی فہرست قانون سازی میں موجود گی بھی معاملے کے سلسلے میں قانون بنانے کے خصوصی اختیارات حاصل ہوں گے۔

(بی) اسمبلی کو چوتھے شیڈول میں درج اسمبلی کی فہرست قانون سازی میں موجود کسی بھی معاملے کے سلسلے میں قانون بنانے کا اختیار حاصل ہوگا جبکہ کونسل کو نہیں ہوگا۔

(سی) کونسل کو موجودہ قوانین یا پاکستان میں نافذ العمل کسی نئے قانون میں ترمیم کے اختیارات حاصل ہوں گے۔

(3) حکومت پاکستان کو کسی ایسے معاملے پر، جو کونسل کی فہرست قانون سازی اور اسمبلی کی فہرست قانون سازی میں درج ہو، سرکاری گزٹ میں نوٹیفائڈ آرڈر کے ذریعے قانون سازی کا خصوصی اختیار حاصل ہوگا۔

48۔ محض قوانین کے ذریعے عاید ہونے والا ٹیکس:

گلگت بلتستان کے مقاصد کے لیے ماسوائے کونسل یا اسمبلی کے ایک ایکٹ کی اتھارٹی کے ذریعے یا تحت، کوئی ٹیکس عاید نہیں کیا جائے گا اور تمام ٹیکس اور لیویز بالا اختیار اسمبلی یا کونسل کے ایک ایکٹ یا حکومت پاکستان کی جانب سے بنائے گئے کسی قانون کے تحت نافذ رہیں گے۔

حصہ ہشتم۔ اسلامی شقیں:

49۔ کوئی بھی قانون اسلامی احکامات کے خلاف نہیں ہوگا:

(1) کوئی بھی قانون اسلامی تعلیمات اور ان تقاضوں کے منافی نہیں ہوگا جو قرآن وسنت میں مقرر ہیں اور موجودہ تمام قوانین کو قرآن وسنت کے مطابق بنایا جائے گا۔

50۔ اسلامی نظریاتی کونسل کو ریفرنس:

(1) اگر اسمبلی یا کونسل کے کل ارکان کی ایک تہائی تعداد تقاضا کرتی ہے تو اسمبلی یا کونسل اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین کے تحت قائم کردہ اسلامی نظریاتی کونسل سے بغرض مشاورت یا کسی سوال کے بارے میں کہ آیا مجوزہ قانون اسلام کے مطابق ہے یا نہیں، رجوع کرے گی۔

(2) اگر اسمبلی یا کونسل کی جانب سے کوئی سوال ریفر کیا جائے تو اسلامی نظریاتی کونسل 15 دن کے اندر اسمبلی یا کونسل کو جو بھی صورت ہو، اس مدت سے آگاہ کرے گی جس کے اندر وہ مشورہ دے گی۔

(3) جہاں کہیں اسمبلی یا کونسل، جو بھی صورت ہو، سمجھتی ہے کہ اس قانون سازی کو، جس کے متعلق سوال اٹھایا گیا ہے، مفاد عامہ میں اس وقت تک نہیں ملتوی کیا جانا چاہیے، جب تک اسلامی نظریاتی کونسل کا مشورہ نہ حاصل ہو جائے، مشورہ حاصل ہونے سے قبل قانون بنایا جا سکتا ہے۔

اگر ایک قانون مشورے کے لیے اسلامی نظریاتی کونسل کو ریفر کیا جاتا ہے اور کونسل مشورہ دیتی ہے کہ قانون اسلامی احکامات کے منافی ہے تو اسمبلی یا کونسل، جو بھی صورت ہو، اس بنائے گئے قانون پر دوبارہ غور کرے گی۔

51۔ کونسل کے بارے میں عام شقیں:

(1) کونسل یا اسمبلی کی کسی بھی کارروائی کے جواز کے بارے میں کسی عدالت میں سوال نہیں اٹھایا جائے گا۔

(2) کوئی افسر یا رکن یا کوئی اتھارٹی، جس کو کونسل کی کارروائی کو باقاعدہ بنانے، کام کی بجا آوری، احکامات جاری کرنے کے اختیارات حاصل ہوں، کی جانب سے ان اختیارات میں سے کسی کے استعمال کے سلسلے میں کسی عدالت کے دائرۂ اختیار میں نہیں آئے گی۔

(3) کوئی رکن یا شخص جو کونسل یا اسمبلی میں بولنے کا حق دار ہو، کونسل اسمبلی یا ان کی کسی کمیٹی میں اپنی جانب سے کوئی بات کہنے یا ووٹ دینے کے سلسلے میں کسی عدالت میں کسی کارروائی کا مستوجب نہیں ہوگا۔

(4) کوئی شخص کونسل یا اسمبلی کی اتھارٹی کی جانب سے کسی رپورٹ، پیپر، ووٹ یا کارروائی کی اشاعت کے سلسلے میں کسی عدالت میں کارروائی کا مستوجب نہیں ہوگا۔

(5) کسی عدالت یا دیگر اتھارٹی کی جانب سے جاری کردہ کوئی پراسیس اس مقام کے احاطے میں جہاں کونسل یا اسمبلی کا اجلاس منعقد ہو رہا ہے، پہنچایا یا اس پر عمل نہیں کیا جاسکے گا، الا یہ کہ کونسل کا چیئرمین یا اسپیکر اسمبلی اس کی اجازت دے۔

(6) اس آرٹیکل کی رو سے کونسل، اسمبلی، کونسل کی کمیٹیوں اور ارکان، یا اسمبلی اور کونسل اور اسمبلی میں بولنے کے حقدار اشخاص کا قانون کے ذریعے تعین کیا جائے گا۔

(جاری ہے)

گلگت بلتستان کی داخلی خودمختاری اور اصل حقائق (49)

عبدالجبار ناصر

52۔کونسل کے منظور کردہ بلوں کو معتبر بنانا:

(1) کونسل کی جانب سے منظور کردہ کسی بل کے لیے گورنر کی رضامندی ضروری ہوگی۔ چیئرمین آف کونسل کی جانب سے توثیق کے بعد یہ قانون بن جائے گا اور کونسل کا ایک ایکٹ کہلائے گا۔

53۔بلوں کے لیے گورنر کی رضامندی:

(1) اس آرڈر کی رو سے اسمبلی سے منظور کیا جانے والا بل گورنر کی رضامندی کے لیے بھیجا جائے گا۔

(2) گورنر 30 دنوں کے اندر جواب دے گا۔

(اے) بل کے بارے میں اظہار رضامندی یا

(بی) منی بل کے سوا دوسرا بل ہونے کی صورت میں، بل ایک پیغام کے ساتھ اسمبلی کو واپس کر دیا جائے گا، جس میں درخواست کی گئی ہوگی کہ بل یا اس کی کسی مخصوص شق پر دوبارہ غور کیا جائے۔

اور یہ کہ پیغام میں صراحت کردہ ترمیم پر غور کیا جائے۔

(3) جب گورنر بل اسمبلی کو واپس کر چکا ہو تو اس پر دوبارہ غور ہوگا اور اگر یہ ترمیم کے ساتھ یا بلا ترمیم اسمبلی کی جانب سے اسمبلی میں حاضر ووٹ دینے والے ارکان کی اکثریت کی جانب سے اس آرڈر کی شقوں کے مطابق ہے اور کسی بھی طرح پاکستان کی سلامتی، سالمیت، یک جہتی اور اسٹریٹجک مفاد کے خلاف نہیں ہے تو اسے گورنر کو دوبارہ پیش کیا جائے گا اور گورنر اس پر اپنی رضامندی نہیں روکے گا۔

(4) جب گورنر بل پر منظوری دے دے تو یہ قانون بن جائے گا اور اسمبلی کا ایکٹ کہلائے گا۔

حصہ نہم۔مالیاتی طریقہ کار (فنانشل پروسیجر)

54۔کونسل کنسالیڈیٹڈ فنڈ:

(1) کونسل کی جانب سے وضع کیا جانے والا تمام ریونیو، کونسل کی جانب سے دیے جانے والے تمام قرضے اور کسی قرضے کی ادائیگی میں اس کی جانب سے وصول کی گئی تمام رقوم کنسالیڈیٹڈ فنڈ کا ایک حصہ تشکیل کریں گی، جو کونسل کنسالیڈیٹڈ فنڈ کی حیثیت سے جانچا جائے گا۔

(2) تمام دیگر رقوم:

(اے) کونسل کی جانب سے یا اس کے لیے وصول کردہ۔

(بی) گلگت بلتستان سپریم ایپلٹ کورٹ یا اس آرڈر کی اتھارٹی کے تحت قائم شدہ کسی دوسری کورٹ کی جانب سے

وصول کردہ اور جمع شدہ کونسل کے پبلک اکاؤنٹ میں جمع کی جائیں گی۔

(3) کونسل کنسالیڈیٹڈ فنڈ کی تحویل، فنڈ میں رقم کی ادائیگی، وہاں سے رقم نکالنا کونسل کے ذریعے یا کونسل کے لیے وصول کی جانے والی دیگر رقوم کی تحویل، ان کی ادائیگی اور کونسل کے پبلک اکاؤنٹ سے نکالنا اور مذکورہ معاملات سے مربوط تمام معاملات کونسل کے ایکٹ کے ذریعے باقاعدہ بنائے جائیں گے۔

(4) کونسل ہر مالی سال کے سلسلے میں اس سال کے لیے کونسل کی تخمینی وصولیوں اور اخراجات کا گوشوارہ تیار کرائے گی اور منظور کرے گی۔

(5) چیئرمین کونسل، کونسل کی جانب سے کلاز (4) کے تحت منظور کردہ گوشوارے کی اپنے دستخطوں سے توثیق کرے گا اور کونسل کے کنسالیڈیٹڈ فنڈ سے کوئی بھی خرچ اس وقت تک حسب قاعدہ نہیں سمجھا جا سکتا، جب تک اسی طرح توثیق شدہ گوشوارہ میں اس کی صراحت نہ کی جائے گی۔

(6) اگر کسی مالی سال کے بارے میں یہ پایا گیا:

(اے) رواں مالی سال کے لیے کسی مخصوص کام کے واسطے وہ خرچ، جس کا اختیار دیا گیا ہے، ناکافی ہے یا یہ کہ اس کے لیے کسی نئے کام کے واسطے جو اس گوشوارے میں جس کا حوالہ کلاز (4) میں دیا گیا ہے، خرچ کی ضرورت آ پڑی یا

(بی) کسی مالی سال کے دوران کسی کام پر اس کے لیے مقررہ رقم سے زائد رقم خرچ کر دی گئی، چیئرمین کونسل کو کونسل کے کنسالیڈیٹڈ فنڈ سے خرچ کی اجازت دینے کا اختیار حاصل ہوگا اور وہ کونسل کے سامنے ایک ضمنی گوشوارہ یا اضافی اخراجات کا گوشوارہ پیش کروائے گا، جن میں اخراجات کی رقم ظاہر کی جائے گی اور (4) کی شقیں ان گوشواروں پر کلاز (3) میں محولہ گوشوارہ کی طرح لاگو ہوں گی۔

(7) باوجودیکہ اس آرٹیکل کے آگے درج شقوں میں شامل کسی چیز کے کونسل کو کسی مالی سال کے جز کے لیے جو 4 مہینوں سے تجاوز نہ کرے، تخمینی اخراجات کے سلسلے میں کلاز (3) اور (4) میں مقرر کردہ طریقہ کار تکمیل زیرالتوا رکھتے ہوئے کوئی پیشگی گرانٹ متعین کرنے کا اختیار حاصل ہوگا۔

55۔ گلگت بلتستان کنسالیڈیٹڈ فنڈ:

(1) حکومت کی جانب سے وصول کردہ تمام ریونیوز حکومت پاکستان سے منظوری سے حکومت کی جانب سے جاری تمام قرضے اور کسی قرضے کی ادائیگی میں اس کی جانب سے وصول کردہ تمام رقوم کنسالیڈیٹڈ فنڈ کا ایک حصہ تشکیل دیں گے جسے گلگت بلتستان فنڈ کے نام سے جانا جائے گا۔

(2) تمام دیگر رقوم:

(اے) حکومت کی جانب سے یا حکومت کے لیے وصول کردہ یا

(بی) حکومت کی اتھارٹی سے قائم کردہ کسی دوسری کورٹ کی جانب سے وصول کردہ اور جمع کردہ رقوم حکومت کے پبلک اکاؤنٹ میں کریڈٹ ہوں گی۔

(3) گلگت بلتستان فنڈ کی تحویل۔ اسی فنڈ میں رقم کی ادائیگی، وہاں سے رقم کا نکالنا، حکومت کی جانب سے یا اس کے لیے وصول کردہ دیگر رقوم کی حکومت کے پبلک اکاؤنٹ میں ادائیگی اور وہاں سے نکالنا اور متعلقہ معاملات سے مربوط تمام معاملات اسمبلی ایکٹ کے ذریعے باقاعدہ بنائے جائیں گے۔

56۔ بجٹ:

(1) حکومت ہر مالی سال کے سلسلے میں اس سال کے لیے وصولیوں اور دیگر اخراجات کا گوشوارہ تیار کرائے گی جو سالانہ بجٹ کہلائے گا۔

(2) سالانہ بجٹ اسمبلی میں گرانٹ کے مطالبات کی صورت میں پیش کیا جائے گا اور اسمبلی کو اس کے کسی مطالبے کو منظور یا نا منظور کرنے یا کسی مطالبے کی گرانٹ میں کمی کا اختیار ہوگا۔

(3) حکومت کی سفارش پر کیے جانے والے مطالبے کے سوا کوئی مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔

(4) اسمبلی کی جانب سے منظور کردہ بجٹ گورنر کو پیش کیا جائے گا جو اپنے دستخطوں سے اس کی توثیق کرے گا۔

(5) اگر کسی مالی سال کے دوران پایا گیا کہ:

(اے) رقم میں جس کے خرچ کا سال رواں کے دوران اختیار دیا گیا ہے، ناکافی ہے یا جسے نئے کام پر خرچ کرنے کی ضرورت پڑ گئی یا اس سال کے بجٹ کے لیے ناکافی ہے یا

(بی) کہ کوئی رقم کسی مالی سال کے دوران گرانٹ شدہ رقم سے زیادہ خرچ ہوگئی ہے، حکومت کو گلگت بلتستان کنسالیڈیٹڈ فنڈ سے اخراجات کی اجازت لینے کا اختیار ہوگا اور وہ اسمبلی کے سامنے اس سال کے لیے ایک بجٹ یا جیسی بھی صورت ہو، ایک ضمنی بجٹ پیش کرائے گی جس میں ان اخراجات کی رقم ظاہر کی جائے گی اور اس آرٹیکل کی شقیں ان بجٹوں پر سالانہ بجٹ کی طرح لاگو ہوں گی۔

(جاری ہے)

گلگت بلتستان کی داخلی خودمختاری اور اصل حقائق (50)

عبدالجبار ناصر

ajnasir1@gmail.com

57۔ بجٹ کے متعلق خصوصی شقات:

(1) جب کسی سال کا مالی بجٹ اسمبلی کے تحلیل ہوجانے کے باعث منظور نہ کیا جاسکے تو وزیر اعلیٰ سالانہ بجٹ تیار کرائے گا اور اپنے دستخطوں سے بجٹ کی توثیق کرے گا۔

(2) کسی بھی مالی سال کا سالانہ بجٹ جو کلاز (1) کے تحت وزیر اعلیٰ کی جانب سے توثیق شدہ ہو، اسمبلی کا منظور کردہ سمجھا جائے گا۔

58۔ اخراجات پر پابندی: حکومت کی جانب سے اس وقت تک کوئی خرچ نہیں کیا جائے گا جب تک کہ اسے سالانہ یا ضمنی بجٹ کی جانب سے، جو اسمبلی کی جانب سے منظور کردہ سمجھا جائے، اس کی اجازت نہ دی گئی ہو۔

حصہ دہم۔ آرڈیننس

59۔ آرڈیننس کی تیاری کا اختیار:

(1) گورنر، ماسوائے اس کے کہ جب اسمبلی کا اجلاس ہو رہا ہو، اگر اس بات سے مطمئن ہے کہ موجودہ حالات فوری کارروائی کے متقاضی ہیں، حالات کے تقاضے کے مطابق کوئی بھی آرڈیننس بنا اور نافذ کرسکتا ہے۔ اس آرٹیکل کے تحت نافذ کردہ آرڈیننس اسمبلی کے ایکٹ کی طرح قوت نافذہ کا حامل اور موثر ہوگا لیکن ایسا ہر آرڈیننس:

(اے) اپنے نفاذ کو 4 ماہ گزرنے کے بعد منسوخ ہوجائے گا اور اسے اسمبلی کے روبرو پیش کرنا ہوگا۔ اگر اس مدت کے ختم ہونے سے قبل اسمبلی نے اسے منظور کرنے کی کوئی قرارداد منظور کرلی تو اس قرارداد کے منظور ہونے پر:

(بی) اسے گورنر کی جانب سے کسی بھی وقت واپس لیا جاسکتا ہے۔

(3) کلاز (2) کی شقات کو چھیڑے بغیر اسمبلی یا کونسل کے سامنے پیش کردہ آرڈیننس اسمبلی یا کونسل، جو بھی صورت ہو، کی جانب سے متعارف کردہ بل سمجھا جائے گا۔

(4) اگر چیئرمین کونسل نے آرڈیننس بنانے، نافذ کرنے، واپس لینے، جو بھی حالات کا تقاضا ہو، مشورہ دیا ہو تو گورنر ویسا ہی کرے گا اور کلاز (2) اور کلاز (3) کی شقات اس طرح بنائے گئے آرڈیننس پر لاگو ہوں گی اور اسمبلی کی جانب سے اس طرح بنایا گیا قانون ''اسمبلی ایکٹ'' اور کونسل کا اس طرح بنایا گیا قانون ''کونسل ایکٹ'' ہوگا۔

حصہ یازدہم۔ عدلیہ

60۔ گلگت بلتستان سپریم اپیلیٹ کورٹ:

(1) گلگت بلتستان سپریم کورٹ قائم کی جائے گی جو اعلیٰ ترین کورٹ آف اپیل ہوگی۔

(2) اس آرڈر کی رو سے سپریم اپیلیٹ کورٹ کا دائرہ اختیار وہی ہوگا، جو ہے، یا اس کو اس آرڈر یا کسی قانون کے ذریعے، جو بھی تفویض کیا جائے۔

(3) سپریم اپیلیٹ کورٹ ایک چیف جج جو گلگت بلتستان کے جج کی حیثیت سے جانا جائے گا اور دو ججوں پر مشتمل ہوگی۔

حکومت پاکستان ججوں کی تعداد میں وقتاً فوقتاً اضافہ کرسکتی ہے۔

(4) اس آرڈر کے شروع ہونے سے قبل سپریم اپیلیٹ کورٹ کے چیف جج یا دیگر جج جیسی بھی صورت ہو، کی حیثیت سے عہدے کے فائز شخص کو اس آرڈر کے تحت فوری طور پر مقرر کردہ چیف جج یا دیگر جج جیسی بھی صورت ہو، سمجھا جائے گا۔

(5) سپریم اپیلیٹ کورٹ کا چیف جج گورنر کے مشورے سے چیئرمین کونسل کی جانب سے مقرر کیا جائے گا اور دیگر جج گورنر کے مشورے سے چیئرمین کونسل کی جانب سے چیف جج کا نکتہ نظر معلوم کرنے کے بعد مقرر کیے جائیں گے۔

(6) کوئی شخص گلگت بلتستان کی سپریم اپیلیٹ کورٹ کا اس وقت تک چیف جج یا جج مقرر نہیں ہوگا الا یہ کہ وہ:

(اے) سپریم کورٹ آف پاکستان کا جج رہ چکا ہو یا سپریم کورٹ آف پاکستان کا جج بننے کا اہل ہو یا

(بی) کم از کم 5 سال کی مسلسل یا مجموعی مدت تک چیف کورٹ کا جج رہا ہو یا

(سی) کم از کم 15 سال کی مسلسل یا مجموعی مدت تک کسی ہائی کورٹ کا ایڈووکیٹ رہا ہو۔

وضاحت: اس ذیلی کلاز میں الفاظ ''ہائی کورٹ'' میں شامل ہے:

(اے) گلگت بلتستان کی چیف کورٹ یا کوئی مساوی کورٹ جو یکم اگست 2009ء سے قبل گلگت بلتستان میں موجود ہو یا

(بی) پاکستان میں ہائی کورٹ بشمول کوئی ایسی ہائی کورٹ جو یکم جولائی 2009ء سے قبل کسی وقت پاکستان میں موجود تھی۔

(7) اپنا عہدہ سنبھالنے سے قبل گلگت بلتستان کے چیف جج کو گورنر کے سامنے اور گلگت بلتستان کی سپریم اپیلیٹ کورٹ کے کسی اور جج کو چیف جج کے روبرو پہلے شیڈول میں مقررہ فارم کے مطابق حلف اٹھانا ہوگا۔

(8) چیف جج اور سپریم اپیلیٹ کورٹ گلگت بلتستان کے جج ایک میعاد کے لیے جو 3 سال سے متجاوز نہ ہو، مقرر کیے جائیں گے اور اسی مزید میعاد کے لیے جیسا حکومت پاکستان تعین کرے، اس وقت تک متعین رہیں گے جب تک وہ

استعفانہ دے دیں یا قانون کے مطابق ہٹانہ دیے جائیں۔

(9) کسی بھی وقت جب گلگت بلتستان کے چیف جج کا عہدہ خالی ہو یا وہ غیر حاضر ہو یا اپنے فرائض منصبی انجام دینے کے قابل نہ ہو، سپریم اپیلیٹ کورٹ کا دوسرا سینئر جج گلگت بلتستان کورٹ کے جج کی حیثیت سے کام کرے گا۔

(10) گلگت بلتستان سپریم اپیلیٹ کورٹ کے چیف جج اور جج کا معاوضہ اور ملازمت کے شرائط وضوابط وہی ہوں گے جو چیف جسٹس آف پاکستان اور سپریم کورٹ آف پاکستان کے ججوں کے لیے مقرر ہیں۔

(جاری ہے)

گلگت بلتستان کی داخلی خود مختاری اور اصل حقائق (51)

عبدالجبار ناصر

آخری قسط:

گلگت بلتستان امپاورمنٹ اینڈ سیلف گورننس آرڈر 2009ء کے آرٹیکل 60 سے 79 تک میں سپریم اپیلٹ کورٹ اور دیگر عدالتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ آرٹیکل 80 اور 81 کے تحت گلگت بلتستان پبلک سروس کمیشن کے قیام کے اختیارات اور دیگر امور کا ذکر ہے، جبکہ آرٹیکل 82 میں گلگت بلتستان کے لیے چیف الیکشن کمیشن کی تقرری کے ساتھ ساتھ ان کی تقرری کے لیے کونسل کے چیئرمین کے لیے گورنر سے مشاورت کو لازم قرار دیا گیا ہے۔ آرٹیکل 83 میں آڈیٹر جنرل آف گلگت بلتستان کی تقرری ان کے اختیارات اور دیگر امور کی وضاحت کی گئی ہے۔ آرٹیکل 84 میں موجودہ قوانین کی اس وقت تک بحالی، جب تک گلگت بلتستان میں متعلقہ اداروں کی جانب سے کوئی نئی قانون سازی یا ترمیم نہیں کی جاتی، کی وضاحت کی گئی ہے۔ آرٹیکل 85 میں گورنر، وزیر اعلیٰ، وزراء یا مشیروں کو حاصل اختیارات کے علاوہ ممنوعہ امور کا ذکر ہے۔ اسی آرٹیکل کی ذیلی شق تین کے مطابق گورنر یا چیئرمین کونسل کے خلاف ان کے عہدے میں ہوتے ہوئے کوئی عدالتی کارروائی نہیں ہوسکتی۔ آرٹیکل 86 میں جائیداد کی خرید وفروخت اور دیگر حق ملکیت کا ذکر ہے۔ جبکہ آرٹیکل 87 میں خطے میں کسی ہنگامی صورت حال، بیرونی یا اندرونی کسی جارحیت کے دوران چیئرمین گلگت بلتستان کونسل کو دیے گئے خصوصی اختیار کا ذکر ہے، جس میں چیئرمین کو یہ اختیار حاصل ہوگا کہ وہ حکم نامے کے ذریعے گلگت بلتستان کے حوالے سے تمام امور یا چند امور کسی اتھارٹی کو استعمال کرنے کا اختیار دے سکتا ہے۔ تاہم چیئرمین کے اس اعلان کو کونسل اور قانون ساز اسمبلی کے مشترکہ اجلاس میں پیش کرنا ہوگا اور یہ اجلاس اس حکم نامے کے اجراء کے 30 دن کے اندر طلب کیا جائے گا۔ چیئرمین کونسل کا یہ حکم نامہ (ایمرجنسی) صرف دو ماہ تک قائم رہ سکتا ہے۔ تاہم اگر مشترکہ اجلاس میں اس کی منظوری دی جائے تو مدت میں اضافہ ہوسکتا ہے۔ اگر مشترکہ اجلاس میں اس کو مسترد کیا گیا تو یہ لاگو نہیں ہوگا۔ اس آرٹیکل میں اسی حوالے سے دیگر امور کا بھی ذکر ہے۔

آرٹیکل 88 اور 89 دونوں میں چیئرمین کونسل کے مذکورہ بالا حکم نامے (ایمرجنسی) کے نفاذ کے خاتمے کا ذکر کیا گیا ہے۔ آرٹیکل 90 میں مختلف امور کے غیر موثر نہ ہونے کا ذکر ہے۔ گلگت بلتستان امپاورمنٹ اینڈ سیلف گورننس آرڈر 2009ء کے حصہ 15 میں آرٹیکل 91 سے 97 تک مختلف امور بیان کیے گئے ہیں۔ جن میں مختلف عہدوں کا حلف، اس کی زبان اور دیگر کا ذکر ہے۔ آرٹیکل 92 میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ اقوام متحدہ کی جموں وکشمیر کے متعلق قراردادوں کے خلاف کوئی اقدام نہیں کیا جائے گا۔ آرٹیکل 93 میں مختلف نوٹیفکیشن کا اجراء 94 میں مختلف قواعد وضوابط اور آرٹیکل 95 میں قوانین کی منسوخی، جبکہ آرٹیکل 96 میں ناردرن ایریاز گورننس آرڈر 1994ء اور اس میں کی گئی ترامیم کی منسوخی کا خصوصی ذکر ہے اور اس آرڈر کے آخری آرٹیکل 97 میں تنسیخ کے نفاذ کا ذکر ہے۔

اس آرڈر میں پانچ مختلف شیڈول شامل ہیں۔ پہلے شیڈول میں گورنر، وزیر اعلیٰ، وزراء، اسپیکر، ڈپٹی اسپیکر، قانون ساز اسمبلی کے ارکان، گلگت بلتستان کونسل کے ارکان، چیف جسٹس اور جسٹس سپریم اپیلٹ کورٹ آف گلگت بلتستان، چیف جسٹس اور جسٹس چیف کورٹ آف گلگت بلتستان، مشیر، آڈیٹر جنرل اور چیف الیکشن کمیشن آف گلگت بلتستان کے حلف ناموں کے نمونے دیے گئے ہیں۔ دوسرے شیڈول میں پانچ مختلف امور کا ذکر ہے۔ تیسرے شیڈول میں کونسل کو قانون سازی کے لیے دیے گئے 54 نکات اور چوتھے شیڈول قانون ساز اسمبلی کو قانون سازی کے لیے دیے گئے 61 امور کا ذکر ہے، جبکہ پانچویں شیڈول میں گلگت بلتستان کی ملازمتوں میں وفاقی ملازمین کے کوٹے کا خصوصی ذکر ہے۔

ہم جب گلگت بلتستان امپاورمنٹ اینڈ سیلف گورننس آرڈر 2009ء کے اصلاحاتی پیکج کا جائزہ لیتے ہیں تو اس میں کئی امور قابل غور اور بحث طلب ہیں۔ ان میں وزیر اعلیٰ کی بجائے گورنر کو انتظامی اختیارات بھی سونپنا اور قانون ساز اسمبلی کے مقابلے میں گلگت بلتستان کی کونسل کو بااختیار بنانا شامل ہے اور جو امور قانون ساز اسمبلی کی قانون سازی کی فہرست میں شامل کیے گئے ہیں ان میں اکثر امور بلدیاتی اداروں کے ہیں، جبکہ گلگت بلتستان میں پائے جانے والی محرومیوں کے خاتمے کے لیے جن امور میں قانون سازی ضروری ہے اس کا اختیار کونسل کو دیا گیا ہے اور کونسل میں مجموعی طور پر اکثریت حکومت پاکستان کے نامزد کردہ ارکان کی ہوگی، اس لیے امکان اس بات کا ہے کہ گلگت بلتستان کے عوام کی خواہش کے مطابق شاید ہی کوئی قانون سازی ہو سکے۔ مزید یہ کہ گلگت بلتستان کونسل کے چیئرمین جو وزیر اعظم پاکستان ہوں گے، کو تمام اختیارات کا منبع بنایا گیا ہے۔ اس آرڈر کے تحت گلگت بلتستان کونسل کے چیئرمین (وزیر اعظم پاکستان) کو خطے میں وہ اختیارات حاصل ہیں جو اس وقت پاکستان میں صدر پاکستان کو حاصل ہیں۔ اس طرح گلگت بلتستان میں بھی پارلیمانی نظام کی بجائے ایک صدارتی اور آمرانہ نظام کی جھلک نظر آتی ہے۔

گلگت بلتستان کونسل کے گلگت بلتستان قانون ساز اسمبلی کی جانب سے نامزد چھ ارکان کی نامزدگی کا طریقہ تو واضح ہے تاہم قانون ساز اسمبلی میں 6 خواتین اور 3 ٹیکنوکریٹ ارکان کے انتخاب کے متعلق صرف اتنا کہا گیا ہے کہ ان کا انتخاب اس طرح ہوگا جس طرح پاکستان میں ہوتا ہے۔ ہم جب پاکستان میں قومی اور صوبائی اسمبلیوں میں خواتین اور اقلیتی ارکان کے لیے مخصوص نشستوں کا جائزہ لیتے ہیں تو الیکشن میں کامیاب ہونے والی سیاسی جماعتوں کی حاصل کردہ نشستوں کے حساب سے مخصوص نشستیں الاٹ کی جاتی ہیں اور ان نشستوں کے لیے نامزدگی عام انتخابات کی نامزدگی کے ساتھ ساتھ کی جاتی ہے۔ اس دوران سیاسی جماعتیں الیکشن کمیشن کو اپنی فہرستیں فراہم کرتی ہیں جن میں ارکان کے نام ترتیب وار ہوتے ہیں اور عام انتخابات میں حاصل کردہ نشستوں کے مطابق اسی ترتیب سے الیکشن کمیشن آف پاکستان مخصوص ارکان کے ناموں کا نوٹیفکیشن جاری کرتا ہے۔ گلگت بلتستان کے عام انتخابات 12 نومبر 2009ء کو منعقد ہو رہے ہیں مگر مخصوص نشستوں کے لیے نامزدگی نہیں ہوئی، جس سے پتہ چلتا ہے کہ پاکستان میں قومی اور صوبائی

اسمبلیوں میں مخصوص نشستوں کے طریقے پر گلگت بلتستان کی قانون ساز اسمبلی کے ارکان کا انتخاب مشکل ہے۔

پاکستان میں دوسرا طریقہ ارکان سینیٹ کو منتخب کرنے کا ہے، اگر اس طریقے کو اپنایا گیا تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا قانون ساز اسمبلی کے ارکان گلگت بلتستان کونسل (ایوان بالا+ سینیٹ) اور قانون ساز اسمبلی کی مخصوص نشستوں کے ارکان کا انتخاب ایک ساتھ کریں گے یا الگ الگ؟ اس پورے آرڈر میں اس کی وضاحت نہیں ہے۔ مجموعی طور پر پورا آرڈر انتہائی غور طلب ہے۔ روزنامہ اسلام میں گزشتہ تقریباً دو ماہ سے شائع ہونے والے ان کالموں میں نہ صرف موجودہ حکومت کے جاری کردہ آرڈر کو قارئین کے سامنے پیش کیا گیا، بلکہ تاریخی اور قانونی حقائق بھی ان کے سامنے پیش کرنے کی کوشش کی گئی۔